الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

ہر آدمی اپنا درخت الگ الگ اگانا چاہتا ہے
یہی وجہ ہے کہ ملت کا باغ وجود میں نہیں آتا۔

مئی ۱۹۸۳ ☐ قیمت فی پرچہ — تین روپے ☐ شمارہ ۷۸

اسلامی مرکز کا ترجمان

الرسالہ

مئی ۱۹۸۳
شمارہ ۷۸

جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۱۱۰۰۰۶ (انڈیا)

تعارفی سٹ

اسلام کے تعارف پر ہم نے پانچ کتابوں کا ایک سٹ تیار کیا ہے جو مدارس میں ابتدائی اسلامی تعلیم کے لئے بھی مفید ہے اور اسلام کے عمومی تعارف کے لئے بھی۔ یہ سٹ حسب ذیل ہے۔

۱۔ سچا راستہ	دو روپیہ
۲۔ دینی تعلیم	تین روپیہ
۳۔ حیات طیبہ	تین روپیہ
۴۔ باغ جنت	تین روپیہ
۵۔ نار جہنم	تین روپیہ

اس تعارفی سٹ کو اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں شائع کرنے کے لئے جو لوگ کوئی تعاون کریں وہ انشاءاللہ خدا کے یہاں اس کا اجر پائیں گے۔

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

زرتعاون سالانہ ۳۶ روپیہ • خصوصی تعاون سالانہ دوسو روپے • بیرونی ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

سننے والا سن رہا ہے

امریکہ کے خفیہ محکمہ (N.S.A.) کے ایک سابق افسر نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے (The Puzzle Palace) ۔ اس کتاب میں اس کے مصنف نے بڑے دلچسپ انکشافات کئے ہیں۔ ان میں سے ایک کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ امریکہ سے بھیجے جانے والے ٹیلی فون ٹیلکس اور تار کے پیغامات کی تعداد ہر روز ایک ملین سے زیادہ ہوتی ہے۔ جدید نظام کے مطابق یہ پیغامات پہلے ورجینیا کے زمینی اسٹیشن (Earth Station) پر موصول ہوتے ہیں۔ وہاں سے وہ مصنوعی سیارہ کی طرف بھیجے جاتے ہیں جو ۲۲۰۰۰ میل اوپر زمین کے چاروں طرف گھوم رہے ہیں۔ یہ سارا عمل فی الفور ایک سکنڈ سے بھی کم وقفہ میں انجام پاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مشینی پیغام جو امریکہ سے باہر جاتا ہے یا امریکہ کے اندر آتا ہے وہ اصل مخاطب تک پہنچنے سے پہلے امریکی حکومت تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ امریکہ کا خفیہ محکمہ جن لوگوں کے پیغامات کو جاننا چاہتا ہے، ان کا نمبر وہ زمینی اسٹیشن کے دفتر میں دیدیتا ہے۔ یہاں مذکورہ افراد کی گفتگوئیں اور پیغامات خودکار آلات کے ذریعہ ریکارڈ ہوتے رہتے ہیں۔ گویا آپ اگر واشنگٹن سے دہلی کے لئے ٹیلی فون کریں تو آپ کے منہ سے جو الفاظ نکلیں گے، قبل اس کے کہ آپ کا مخاطب ان کو سنے، امریکہ کی حکومت ان کو سن چکی ہوگی۔

ٹائمس آف انڈیا (۱۹ دسمبر ۱۹۸۲) کے امریکی نامہ نگار نے اس کی رپورٹ دیتے ہوئے اس کا عنوان قائم کیا ہے۔ ہوشیار! ممکن ہے کہ امریکہ آپ کی بات سن رہا ہو۔

Careful, Uncle Sam may be listening.

اس قسم کے واقعات خدا کی نشانی ہیں۔ وہ اس لئے ہو رہے ہیں تاکہ آدمی اپنی زبان کو احتیاط کے ساتھ استعمال کرے۔ آدمی دوسرے آدمی سے ایک غلط بات کہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں صرف ایک آدمی سے کہہ رہا ہوں مگر آدمی کو جاننا چاہئے کہ اس کی بات اس کے مخاطب سے پہلے خدا تک پہنچ رہی ہے۔ مذکورہ واقعہ زبان حال سے کہہ رہا ہے ـــــ اے انسان، ہوشیار رہ، کیونکہ تیری ہر بات کو خدا سن رہا ہے۔

خدا کی نشانیاں

ستمبر ۱۹۸۲ کی سات تاریخ تھی ۔ میں افریقہ کے ایک پہاڑی علاقہ میں ایک درخت کے سامنے کھڑا تھا ۔ یہ درخت میرے لئے نیا تھا ۔ اس سے پہلے میں نے اس قسم کا درخت نہیں دیکھا تھا ۔

درخت اپنے پورے وجود کے ساتھ خدا کی نشانی معلوم ہو رہا تھا ۔ اس کی ہر چیز میری نظر میں عجیب تھی ، اس کا نازک پھول ، اس کا ترشا ہوا پھل ، ریاضیاتی کاریگری کے ساتھ بنی ہوئی اس کی پتیاں تمام چیزیں پکار رہی تھیں کہ وہ اپنے آپ نہیں اگ آئی ہیں ' بلکہ کسی بنانے والے نے ان کو بنایا ہے ۔ اس دنیا کا ہر درخت خدا کی صنعت گری کا نمونہ ہے ۔ مگر مذکورہ درخت پہلی بار میرے سامنے آیا اس لئے وہ خصوصی طور پر میرے لئے اثر انگیز ثابت ہوا ۔

افریقہ کے اس عجیب اور حسین درخت کو دیکھ کر بے ساختہ میری زبان سے نکلا ـــــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اس دنیا میں جو چیزیں بنائیں ان میں سے ہر چیز پر اس نے یہ لکھ دیا :

Made by God

(خدا کا بنایا ہوا) خدا نے چیزوں پر یہ لکھا اور اس کے بعد اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے چھپا لیا ۔ تاکہ لوگ مخلوق کو دیکھ کر خالق کو پہچانیں ، تاکہ غیب کے باوجود لوگ اس دنیا میں خدا کی موجودگی کو پالیں ۔

ایک شخص جو مشینوں کا ماہر ہو وہ ایک مشین کو دیکھ کر کہہ دیتا ہے کہ یہ مشین روس کی بنی ہوئی ہے یا امریکہ کی ، برطانیہ کی بنی ہوئی ہے یا جاپان کی ۔ یہی کائنات کی تمام چیزوں کا حال ہے ۔ ہم ایک ایسی دنیا میں ہیں جہاں بے شمار قدرتی مشینیں موجود ہیں اور ہر ایک مسلسل اپنا کام کر رہی ہے ۔ ان " مشینوں " پر بظاہر ان کی ساخت کا ٹھپہ نہیں لگا ہوا ہے ، مگر اپنی غیر معمولی بناوٹ اور ناقابل بیان حد تک ممتاز کارکردگی کی وجہ سے وہ اپنی ساخت کا آپ اعلان ہیں ۔ مخلوقات خود اپنے خالق کو بتا رہی ہیں ۔

کائنات کی کسی چیز کے اوپر لفظوں میں یہ نہیں لکھا ہوا ہے کہ اس کو کس نے بنایا ۔ مگر معنوی طور پر ہر ایک کے اوپر لکھا ہوا موجود ہے ۔ اگر دیکھنے والی نگاہ ہو تو آدمی ہر چیز کو دیکھ کر پکار اٹھے گا : بلاشبہ یہ خدا کی بنائی ہوئی ہے ۔ کوئی دوسرا اس کو بنا نہیں سکتا ۔

آخری منزل

ایورسٹ دنیا کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔ ہمالیہ کی یہ مشہور چوٹی سطح سمندر سے ۲۹۰۲۸ فٹ (۸۸۴۸ میٹر) بلند ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلا قابلِ ذکر شخص جس نے اس بلند چوٹی پر اپنا قدم رکھنے کی سنجیدہ کوشش کی وہ ایک انگریز موریس ولسن (Maurice Wilson) تھا۔ اس نے ۱۹۳۴ میں اس کے اوپر چڑھائی کی۔ مگر جس چیز کو اس نے اپنی زندگی کا کلائمکس سمجھا تھا وہ اس کے لئے اینٹی کلائمکس (Anti-clomax) بن گیا۔

موریس ولسن پہلی جنگ عظیم میں ایک سپاہی تھا۔ اس کو دنیا کی "آخری بلندی" پر پہنچنے کا اتنا زیادہ شوق تھا کہ اس نے اپنے خاندان کی کامیاب تجارت کو اس کے اوپر قربان کر دیا۔ اس نے اپنا تمام سرمایہ خرچ کرکے ذاتی طور پر ایک سکنڈ ہینڈ ہوائی جہاز خریدا۔ وہ انگلستان سے ہندوستان تک چھ ہزار میل کا سفر طے کرکے پورنیہ میں اترا۔ اس کو اپنا ہوائی جہاز آگے لے جانے کی اجازت نہیں ملی۔ چنانچہ اس نے اپنا جہاز فروخت کر دیا۔ اس کے بعد اس نے دارجیلنگ اور تبت کے راستے سے ایورسٹ کی طرف سفر شروع کر دیا۔

آخر میں اس کے پاس ایک چھوٹا خیمہ، کچھ چاول، ایک خود کار کیمرہ اور چند دوسری چیزیں باقی رہ گئیں۔ تاہم وہ اوپر چڑھتا رہا۔ وہ کامیابی کے ساتھ ۱۹۵۰۰ فٹ کی بلندی تک چڑھ گیا۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۴ کو اس کی ۳۶ ویں برتھ ڈے تھی۔ اس کا منصوبہ تھا کہ وہ اپنی زندگی کے اس تاریخی دن کو ایورسٹ کی چوٹی پر کھڑا ہو۔ اس نے اپنی ڈائری میں چند دن پہلے یہ الفاظ لکھے:

Only 13000 feet more to go. I have the distinct feeling that I'll reach the summit on April 21

صرف تیرہ ہزار فیٹ جانا اور باقی ہے۔ مجھے یہ واضح احساس ہو رہا ہے کہ میں ۲۱ اپریل (۱۹۳۴) کو چوٹی پر پہنچ جاؤں گا۔

ان پر فخر سطروں کو لکھنے کے بعد ہمالیہ کا سخت طوفان اور موسم کی شدت اس کی راہ میں رکاوٹ بن گئے۔ وہ مجبور ہو گیا کہ پیچھے لوٹے۔ چنانچہ وہ اتر کر اپنے نچلے ٹھکانہ پر آگیا۔ مگر اس کے بعد اس کو دوبارہ اوپر چڑھنا نصیب نہ ہوا۔ اس کے بعد اس کے ساتھ کیا

پیش آیا، اس کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ ایک سال بعد تن زنگ نار گے اوپر چڑھ رہا تھا کہ اس کو ایک مقام پر موریس ولسن کی لاش ملی اور اسی کے ساتھ اس کی ڈائری بھی۔ جس کا آخری اندراج وہ جملہ تھا جس کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔

موریس ولسن ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی پر خودکار کیمرہ کے ذریعہ اپنی تصویر کھینچنا چاہتا تھا اس کو امید تھی کہ کیمرہ کی آنکھ اس کو فتح کی چوٹی پر دیکھے گی۔ جب یہ تاریخ آئی تو وہاں نہ کوئی ولسن تھا جو اپنی فتح و کامیابی کو دیکھ کر خوش ہو، اور نہ کوئی کیمرہ تھا جو اس کی فتح و کامیابی کے واقعہ کو ریکارڈ کرے۔

یہ کہانی بدلی ہوئی صورت میں ہر آدمی کی کہانی ہے۔ ہر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ کامیابی کی چوٹی پر پہنچنے کی طرف آگے بڑھ رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہاں ہر آدمی صرف ایک ایسی منزل کی جانب چلا جا رہا ہے جہاں موت کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں جو اس کا استقبال کرنے کیلئے موجود ہو۔

موجودہ دنیا میں کچھ لوگ وہ ہیں جو دنیوی کامیابیوں کی صرف تمنا کرتے رہتے ہیں۔ اور بالآخر اس طرح مر جاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی خوابوں کی دنیا کی طرف سفر بھی شروع نہیں کیا تھا۔

دوسرے لوگ وہ ہیں جو اپنی زندگی میں، کم یا زیادہ، ان خواہشوں کو پا لیتے ہیں۔ مگر پانے والے بھی ان چیزوں سے اتنا ہی دور رہتے ہیں جتنا کہ نہ پانے والے۔ کیونکہ ان کو پا لینے کے بعد آدمی پر کھلتا ہے کہ اس کو وہ طاقت اور مواقع حاصل نہیں جو ان چیزوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ اس دنیا میں پانے والا بھی اتنا ہی محروم ہے جتنا نہ پانے والا۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو اس حقیقت کو جانتے ہوں۔

انسان کتنا زیادہ محروم ہے۔ مگر وہ اپنے آپ کو کتنا زیادہ پانے والا سمجھتا ہے۔ زندگی کس قدر غیر یقینی ہے مگر آدمی اس کو کس قدر یقینی سمجھ لیتا ہے۔ آدمی صرف نامعلوم کل کے راستہ پر جا رہا ہے مگر وہ گمان کر لیتا ہے کہ وہ معلوم آج میں اپنی کامیاب دنیا تعمیر کر رہا ہے۔

کتنے بے خبر ہیں وہ لوگ جو اپنے کو جاننے والا سمجھتے ہیں۔ کیسے ناکام ہیں وہ لوگ جن کا نام کامیاب انسانوں کی فہرست میں سب سے آگے لکھا ہوا ہے۔

آہ یہ انسان

تقریباً ایک درجن انڈے سامنے رکھے ہوئے تھے۔ بظاہر سب انڈے تھے۔ سب اوپر سے دیکھنے میں اچھے لگتے تھے۔ مگر جب توڑا گیا تو ایک کے بعد ایک سب خراب نکلتے چلے گئے۔ آخر میں یہ معلوم ہوا کہ ان میں کوئی ایک بھی اچھا نہ تھا۔ سارے انڈے اندر سے خراب انڈے تھے اگرچہ بظاہر اوپر سے اچھے نظر آتے تھے۔

ایسا ہی کچھ حال آجکل انسانوں کا ہو رہا ہے۔ بظاہر دیکھنے میں ہر آدمی آدمی ہے۔ وہ عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ وہ خوبصورت باتیں کرتا ہے۔ اوپر سے ہر آدمی اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ ہر آدمی کے پاس اپنے کارناموں کی نہ ختم ہونے والی داستانیں ہیں۔ مگر جب تجربہ کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اندر سے کچھ اور تھا۔ اوپر کے خوبصورت خول کے اندر ایک انتہائی بدھیئت اور بالکل مختلف قسم کا انسان چھپا ہوا تھا۔

جب کسی سے لین دین ہوتا ہے، جب کوئی واقعی معاملہ پڑتا ہے، جب شکایت اور تلخی کا کوئی موقع سامنے آتا ہے، جب کسی کے مفاد اور مصلحت پر ضرب پڑتی ہے تو اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اندر کا اصلی انسان وہ نہ تھا جو اوپر سے دکھائی دے رہا تھا۔ خوبصورت کپڑوں کے اندر جو چیز چھپی ہوئی ہے وہ گندگی کے سوا اور کچھ نہیں۔ خود غرضی، سطحیت، ظاہرداری، فخر، حسد، غرور، موقع پرستی، تعصب، استحصال، یہی وہ چیزیں ہیں جو لوگ اپنے خوبصورت جسموں کے اندر چھپائے ہوئے ہیں۔ ہر آدمی بظاہر اچھا انڈا ہے۔ مگر توڑنے کے بعد ہر آدمی خراب انڈا ہے۔

یہی آج کی انسانی دنیا ہے۔ گہرائی کے ساتھ دیکھئے تو آج کی دنیا میں صرف دو چیزیں نظر آتی ہیں۔ دکھ کی آہیں، یا ظلم کے قہقہے۔ کچھ لوگ بے انصافیوں کا شکار ہو کر آہیں بھر رہے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے حیوانی ارادوں کی تکمیل کر کے فتح کے قہقہے لگا رہے ہیں۔ کچھ لوگ بے شعوری کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور کچھ لوگ بے حسی کے گڑھے میں۔

مگر یہ صورت باقی رہنے والی نہیں۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب کہ انسان اپنے آپ کو ایک اور دنیا میں پائے گا۔ ایک ایسی دنیا جہاں فیصلہ کا سارا اختیار خدا کو ہوگا نہ کہ انسان کو۔

مومن کی معاشی زندگی

یاایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ہ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون ہ واذا راوا تجارۃ اولھوا ن انفضوا الیھا وترکوک قائما قل ماعند اللہ خیر من اللھو ومن التجارۃ واللہ خیر الرّازقین ہ (جمعہ۔ رکوع آخر)

" اسے ایمان لانے والو! جب جمعہ کی نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کی یاد کی طرف دوڑ پڑو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب نماز ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ اور اللہ کا رزق تلاش کرو، اور اللہ کو خوب یاد کرو، تاکہ تم کو فلاح حاصل ہو۔ اور جب وہ کوئی تجارت یا تماشا دیکھتے ہیں تو اس کی طرف چلے جاتے ہیں اور تجھ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ کہہ دو کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تماشا اور تجارت سے زیادہ بہتر ہے۔ اور اللہ بہترین رازق ہے۔"

یہ آیتیں پہلی بار ایک خاص موقع پر ایک خاص معاملے کے بارے میں اتری تھیں مگر ان میں ہمارے لئے دائمی نصیحت ہے۔ دراصل اس میں مسلمانوں کی معاشی زندگی کا وہ اصول بتایا گیا ہے جس کے مطابق انھیں ہمیشہ زندگی گزارنی چاہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مکہ سے مدینہ (یثرب) پہنچے تو وہاں ایک بار بڑا سخت قحط پڑا۔ مقامی بازار میں غذائی چیزیں نایاب ہو گئیں۔ اس زمانے میں ایک تاجر دحیہ بن خلیفۃ الکلبی شام جا کر وہاں سے آٹا، گیہوں، زیتون کا تیل وغیرہ لاتا اور مدینہ کے بازار میں فروخت کرتا۔ اس کا معمول تھا کہ جب وہ شہر میں داخل ہوتا تو آگے آگے طبل بجواتا، جو اس بات کا اعلان ہوتا تھا کہ خوراک سے لدا ہوا قافلہ آگیا ہے۔ ایک بار جمعہ کا دن تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے کہ عین اسی کے درمیان طبل کی آوازیں آنے لگیں۔ لوگ خطبہ چھوڑ کر اس کی طرف دوڑ پڑے۔ کیونکہ یہ ڈر تھا کہ اگر شروع میں نہ پہنچے تو سامان فروخت ہو جائے گا۔ اور پھر خریداری کے لئے اگلی آمد کا انتظار کرنا پڑیگا۔ جب جانے والے جا چکے تو رسول اللہ نے پوچھا ——— "اب کتنے لوگ رہ گئے ہیں؟" جواب دیا گیا کہ بارہ مرد اور ایک عورت۔ آپ نے فرمایا

والذی نفسی بیدہ لو تتابعتم حتی لم یبق منکم احد لسال بکم الوادی نارا۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تم سب لوگ چلے جاتے حتی کہ کوئی

ایک بھی یہاں نہ رہ جاتا تو یہ وادی تمہارے
لئے آگ کی وادی بن جاتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

معلوم ہوا کہ یہ اقتصادی غلطی جو مسلمانوں سے ہوئی یہ اتنی بڑی غلطی تھی کہ اس کے جرم میں ان پر پتھر برس سکتا تھا، اور ان کے پاؤں کے نیچے کی زمین ان کے لئے انگارہ بن سکتی تھی، مگر چند آدمیوں کی وجہ سے اللہ نے اپنا رحم فرمایا۔ اللہ نے اس موقع پر مندرجہ بالا آیتیں نازل فرمائیں اور یہ بتایا کہ مسلمانوں کو اپنی روٹی اور معاش کے مسئلہ میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ جس سے وہ خدا کے محبوب بن سکتے ہیں اور خدا کے عذاب سے بچ سکتے ہیں۔

اس حیثیت سے جب ہم ان آیتوں پر غور کرتے ہیں تو ہماری معاشی زندگی کے لئے پہلا اصول یہ ملتا ہے کہ جب کبھی ایسا موقع آئے کہ ایک طرف ہماری خرید و فروخت ہو اور دوسری طرف ذکر الٰہی کی پکار ہو تو ہم خرید و فروخت کو چھوڑ دیں اور ذکر الٰہی کی طرف دوڑ پڑیں (فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ)۔ ہم اپنے معاشی دھندوں میں اسی وقت تک آزاد ہیں جب تک خدا کی کوئی بات ہماری سرگرمیوں سے ٹکرا نہ رہی ہو۔ جب بھی دونوں میں ٹکراؤ پیدا ہو تو لازماً ہمیں خدا کو لینا چاہئے، نہ کہ معاش کے تقاضوں کو۔

ہماری معاشی زندگی کے لئے دوسرا اصول جو ان آیتوں میں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم حصول رزق میں مشغول ہوں تو ایسا نہ ہو کہ بس وہی ہمارا سب کچھ بن گیا ہو، بلکہ اس کے ساتھ ہم خدا کو خوب یاد کر رہے ہوں۔ (وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا) ہمارے دل و دماغ میں خدا بسا ہوا ہو۔ اور ہماری زبان سے بار بار ایسے کلمات ٹپک رہے ہوں جو یہ بتاتے ہوں کہ ظاہری طور پر اگرچہ ہم معاشی دھندے میں مشغول ہیں مگر ہماری توجہ اور ہماری اصل سوچ ہر آن خدا کی طرف لگی ہوئی ہے۔

ہماری معاشی زندگی کا تیسرا اہم اصول وہ ہے جو آخری آیت میں بتایا گیا ہے۔ یعنی ہماری معاشی کامیابیاں یا ہماری زندگی کے لئے معاش کی اہمیت کبھی ہم کو اس دھوکے میں نہ ڈالے کہ یہی سب سے بڑی چیز ہے یا یہی ہماری زندگی کا اصل مسئلہ ہے۔ بلکہ جو کچھ خدا کے پاس ہے اسی کو ہم سب سے بڑی چیز سمجھتے ہوں (مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ) نہ معاشی ناکامی ہم کو اس احساس میں مبتلا کرے کہ ہم تو بالکل لٹ گئے، اور اب ہمارے لئے اس دنیا میں کچھ نہیں رہا، اور نہ معاشی کامیابی ہمارے اندر یہ گھمنڈ پیدا کرے کہ ہمیں جو کچھ پانا تھا وہ ہم نے پا لیا۔ بلکہ ہر حال میں ہم خدا کی رحمت

پانے سے پہلے

انگریزی کا مقولہ ہے کہ ہم دیتے ہیں تب ہی ہم پاتے ہیں :

In giving that we receive

دنیا کے بنانے والے نے دنیا کا یہ قانون مقرر کیا ہے کہ یہاں جو دیتا ہے وہی پاتا ہے۔ جس کے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہو اس کے لئے پانا بھی اس دنیا میں مقدر نہیں۔

ہمارے چاروں طرف کی دنیا میں خدا نے اس اصول کو انتہائی کامل شکل میں قائم کر رکھا ہے۔ یہاں ہر چیز کو اگرچہ اپنے وجود کو قائم کرنے کے لئے دوسروں سے کچھ لینا پڑتا ہے۔ مگر ہر چیز کا یہ حال ہے کہ وہ جتنا لیتی ہے اس سے زیادہ وہ دینے کی کوشش کرتی ہے۔

درخت کو لیجیے۔ درخت زمین سے پانی اور معدنیات لیتا ہے۔ وہ ہوا سے نائٹروجن لیتا ہے۔ وہ سورج سے حرارت لیتا ہے اور اس طرح پوری کائنات سے اپنی غذا لیتے ہوئے اپنے وجود کو کمال کے درجہ تک پہنچاتا ہے۔ مگر اس کے بعد وہ کیا کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کا پورا وجود دوسروں کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔ وہ دوسروں کو سایہ دیتا ہے۔ وہ دوسروں کو لکڑی دیتا ہے۔ وہ دوسروں کو پھول اور پھل دیتا ہے۔ وہ ساری عمر اسی طرح اپنے آپ کو دوسروں کے لئے وقف رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ ختم ہو جاتا ہے۔

یہی حال کائنات کی ہر چیز کا ہے۔ ہر چیز دوسروں کو دینے اور دوسروں کو نفع پہنچانے میں مصروف ہے۔ سورج، دریا، پہاڑ، ہوا، ہر چیز دوسروں کو نفع پہنچانے میں لگی ہوئی ہیں۔ کائنات کا دین نفع بخشی ہے نہ کہ حقوق طلبی۔

اس دنیا میں صرف ایک ہی مخلوق ہے جو دینے کے بجائے لینا چاہتی ہے، اور وہ انسان ہے۔ انسان یک طرفہ طور پر دوسروں کو لوٹتا ہے، وہ دوسروں کو دئے بغیر دوسروں سے لینا چاہتا ہے۔ وہ نفع بخش بنے بغیر نفع خور بننا چاہتا ہے۔

انسان کی یہ روش خدا کی اسکیم کے خلاف ہے، وہ کائنات کے عام مزاج سے ہٹی ہوئی ہے۔ یہ تضاد ثابت کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے موجودہ دنیا میں کامیابی مقدر نہیں۔ موجودہ دنیا میں کامیابی صرف ان لوگوں کو مل سکتی ہے جو وسیع تر کائنات سے اپنے کو ہم آہنگ کریں۔ جو دینے والی دنیا میں خود بھی دینے والے بن کر رہیں، نہ کہ دینے والی دنیا میں صرف لینے والے۔

مومن کی فراست

عن ابن عباس: أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قد اسر ابو عزة الشاعر یوم بدر، فمنّ علیه واطلقه۔ فلما کان یوم احد اسره ثانیة۔ فقال منّ علیّ۔ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا یلدغ المومن من جحر مرتین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی میں ابو عزہ شاعر کو قید کیا تھا۔ پھر آپ نے اس پر احسان کیا اور اس کو چھوڑ دیا۔ پھر جب احد کی لڑائی ہوئی تو اس کو دوبارہ قید کیا۔ ابو عزہ نے کہا مجھ پر احسان کیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن ایک بل سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

یعنی تم نے دوبارہ ہمارے خلاف جنگ میں آکر اپنا اعتماد کھو دیا ہے۔ اگر تم احسان کئے جانے کے قابل ہوتے تو پہلے احسان کے بعد تم دوبارہ ہمارے خلاف لڑنے نہ آتے۔ اس تکرار کے بعد تم معافی کے قابل نہیں۔

مومن میں یہ ہوشیاری کہاں سے آتی ہے کہ اس کو کوئی دھوکا نہ دے سکے۔ اس کا جواب دوسری حدیث میں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا: مومن کی فراست سے بچو۔ کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ (اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله)

عام انسان اپنی ذات کی سطح پر زندگی گذارتا ہے۔ مومن وہ ہے جو اپنے آپ کو اپنی ذات کی سطح سے اٹھائے اور خدا کی سطح پر زندگی گذارنے لگے۔ ایسا آدمی ان نفسیاتی پردوں سے باہر آجاتا ہے، جو لوگوں کے لئے صحیح طور پر دیکھنے اور صحیح طور پر رائے قائم کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ ایسے آدمی کی سوچ خدائی سوچ بن جاتی ہے۔ وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ بے آمیز ذہن کے ساتھ چیزوں پر غور کر سکے۔

عام آدمی چیزوں کو اپنی نظر سے دیکھتا ہے اور مومن خدا کی نظر سے۔ اور جو شخص چیزوں کو خدا کی نظر سے دیکھنے لگے، وہ ہر معاملہ میں درست فیصلہ لے گا اور درست فیصلہ ہی کا دوسرا نام کامیابی ہے۔

انسان کا المیہ

خدا نے ایک دنیا بنائی۔ بے حد حسین اور انتہائی لذیذ دنیا۔ خدا نے اس دنیا میں آدمی کے لئے وہ سب کچھ جمع کر دیا جس کو وہ چاہتا ہے۔ اس کے بعد خدا نے اس پر کیف دنیا میں انسان کو بسایا اور لکھ دیا کہ ــــــ انسان اس دنیا کو صرف دیکھے گا، وہ اس کو پا نہ سکے گا۔

دنیا کا سکھ اور اس کی لذتیں آدمی کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا کا سکھ اور اس کی لذتیں آدمی کے لئے ناقابل حصول ہیں۔ ایک شخص جس کو دنیا ابھی حاصل نہ ہوئی ہو وہ اپنے کو جتنا محروم سمجھتا ہے، اتنا ہی وہ شخص بھی اپنے کو محروم پاتا ہے جس کو دنیا اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ حاصل ہو گئی ہو۔

بمبئی کا ایک فلم پروڈیوسر ہے گل آنند۔ اس کی شادی ایک خوبصورت عورت سے ہوئی جس کا نام شوبھا تھا۔ بظاہر اس جوڑے کے پاس وہ سب کچھ تھا جس کی کوئی شخص تمنا کر سکتا ہے۔ بمبئی میں ان کے پاس کئی شاندار مکانات تھے جس میں وہ خوشیوں کی جنت میں رہنے لگے۔

مگر کچھ دنوں کے بعد انہیں ایک کمی کا احساس ہونے لگا۔ وہ دو ہونے کے باوجود ابھی تک اولاد سے محروم ہیں۔ اس احساس نے دونوں کے درمیان ایک خاموش دوری پیدا کرنی شروع کی۔ بالآخر انہوں نے ایک مقامی یتیم خانہ سے ایک چھوٹا بچہ اور ایک چھوٹی بچی حاصل کی۔ وہ بیٹے اور بیٹی کے طور پر ان کی پرورش کرنے لگے۔ تاہم یہ مصنوعی تدبیر ان کی محرومی کے احساس کو ختم نہ کر سکی۔ بالآخر دوری یہاں تک بڑھی کہ دونوں الگ الگ مکانوں میں رہنے لگے۔

شوبھا کے ڈاکٹروں نے تجویز کیا کہ اس کو ذہنی اختلال ہے۔ دس سال تک وہ اس مفروضہ کے تحت اس کا علاج کرتے رہے، مگر بے سود۔ بالآخر ۸ فروری ۱۹۸۳ کو یہ المناک کہانی ختم ہو گئی۔ شوبھا بمبئی میں پیڈر روڈ کے "نیلم بار" میں سولھویں منزل پر ایک اپارٹمنٹ میں رہتی تھی۔ اس نے ۸ فروری کو اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ پہلے اپنے بچوں کو کھڑکی سے باہر پھینکا اور اس کے بعد خود بھی چھلانگ لگا دی۔ تینوں نیچے گرتے ہی مر گئے۔ انگریزی اخبار کی رپورٹنگ کے مطابق شوبھا کے شوہر (گل آنند) نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا:

I don't know the exact medical terms for my wife's mental disorders

اپنی بیوی کے ذہنی اختلال کو بیان کرنے کے لئے متعین طبی اصطلاح مجھے معلوم نہیں (ٹائمس آف انڈیا بمبئی ۹ فروری ۱۹۸۳)

ایک کردار ادا کرنے کیلئے

۲۲ ملین ڈالر کے خرچ سے "گاندھی" کے نام پر ایک فلم بنی ہے جس میں مہاتما گاندھی کی زندگی کو دکھایا گیا ہے۔ اس فلم کے بنانے والے ایک انگریز سر رچرڈ اٹن برو ہیں۔ وہ بیس سال سے اس فلم کو بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ کوئی مووی کمپنی اس میں سرمایہ لگانے کے لئے تیار نہیں ہوتی تھی، کیونکہ اس فلم کے متعلق ان کا عام خیال یہ تھا کہ وہ بالکل غیر نفع بخش ہوگی۔ (Totally uncommercial). مگر بن کنگسلے (Ben Kingsley) نے اتنی کامیابی کے ساتھ گاندھی کا پارٹ ادا کیا کہ یہ فلم آج کامیاب ترین فلموں میں شمار کی جاتی ہے۔

بن کنگسلے کے باپ ایک ہندستانی گجراتی ڈاکٹر تھے۔ جنہوں نے ایک انگریز خاتون سے شادی کی۔ ان کا ابتدائی نام کرشنا بھنجی تھا۔ بعد کو انہوں نے اپنا نام بن کنگسلے رکھ لیا۔ بن کنگسلے کو گاندھی سے جسمانی مشابہت کی بنا پر اس فلم میں ہیرو کا پارٹ ادا کرنے کے لئے چنا گیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے طویل مدت تک سخت محنت کی۔

بن کنگسلے شوٹنگ سے کافی پہلے ہندستان آئے۔ انہوں نے اپنے سر کو منڈایا تاکہ ان کا سر گاندھی کی طرح گنجا معلوم ہو۔ وہ موٹے تھے چنانچہ انہوں نے مسلسل کم کھانا کھا کر اپنا وزن ۱۰ کیلو تک گھٹایا اور اپنے کو دبلا بنایا۔ سورج میں دیر دیر تک رہے تاکہ ان کا رنگ سانولا دکھائی دینے لگے۔ فلم کی کہانی کو پورا کا پورا یاد کر ڈالا۔ انہوں نے اپنے کمرہ کی دیواروں کو مہاتما گاندھی کی تصویروں سے بھر دیا۔ وہ مہاتما گاندھی کی پانچ گھنٹہ کی ڈکو منٹری کو دیکھتے رہے۔ وہ گاندھی کی طرح پاؤں توڑ کر بیٹھنے پر قادر نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے روزانہ دو گھنٹے کی یوگا ورزش کر کے اپنے کو اس کا عادی بنایا کہ وہ پاؤں توڑ کر دیر دیر تک بیٹھیں۔ اسی کے ساتھ انہوں نے روزانہ دو گھنٹے چرخا چلایا تاکہ وہ شوٹنگ کے وقت بالکل مہاتما گاندھی کی طرح چرخا چلا سکیں۔ (نیوز ویک ۱۳ دسمبر ۱۹۸۲)

بن کنگسلے کو ایک فلم میں خاص کردار ادا کرنا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے اتنی تیاریاں کیں۔ طویل مدت تک سخت محنت کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ وہ یہ کردار ادا کرنے میں کامیاب ہوں۔ پھر جو لوگ اپنے کو خیر امت کہتے ہیں ان کو تو تاریخ انسانی میں اہم ترین کردار ادا کرنا ہے۔ کیا وہ کسی تیاری کے بغیر یہ مشکل رول ادا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

زیادہ نازک

ایک مسلم نوجوان نے جدید تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد اس کو باہر کے ایک ملک میں کام ملا اور وہ اس کے لئے روانہ ہوگیا۔اس کے ماں باپ اس کو رخصت کرنے کے لئے ہوائی اڈہ پر آئے۔ نوجوان کے مشرقی باپ نے آخری وقت میں نصیحت کرتے ہوئے کہا : دیکھو بیٹے ،جب ہوائی جہاز کے اندر بیٹھنا تو اپنے چاروں طرف آیۃ الکرسی کا گھیرا بنالینا۔اور درود شریف پڑھتے رہنا۔

یہ سن کر ایک شخص نے کہا : آپ بیٹے کو اس قسم کی نصیحت کیوں کر رہے ہیں۔ بزرگ بولے : اس لئے کہ یہ ہوائی سواری ہے۔راستہ میں ذرا سی بھی کوئی بات پیش آئے تو کیا سے کیا ہو جائے۔

"آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ہم میں سے ہر شخص اس سے زیادہ خطرناک ہوائی سواری پر بیٹھا ہوا ہے"۔ آدمی نے دوبارہ کہا " یہ زمین جس پر ہم آپ ہیں یہ ہوائی جہاز سے بھی زیادہ نازک سواری ہے۔ ہماری زمین کسی ٹھوس چیز پر رکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ اتھاہ خلا میں معلق ہے۔ وہ ہوائی جہاز سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ دہرا حرکت کر رہی ہے۔ایک طرف وہ اپنے محور پر ۲۰ میل فی سکنڈ کی رفتار سے گھوم رہی ہے۔دوسری طرف وہ اپنے مدار پر ۱۵ سکنڈ فی میل کی رفتار سے دوڑ رہی ہے۔ ہوائی جہاز تو درمیانی مقامات پر اترتے ہیں۔ مگر زمین کا تیز رفتار سفر بغیر رکے ہوئے مسلسل جاری ہے۔"

اس قسم کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد مذکورہ شخص نے کہا" اگر آپ کو اپنے اس زمینی سفر کا واقعی احساس ہو تو آپ ہر وقت آیۃ الکرسی اور درود شریف پڑھتے رہیں۔آپ کے اوپر لرزہ طاری ہو جائے ، ہوائی سفر سے کہیں زیادہ آپ کو اپنے زمینی سفر کا فکر لاحق رہنے لگے۔"

لوگ انسانی واقعات سے متاثر ہوتے ہیں ، وہ خدائی واقعات سے متاثر ہونا نہیں جانتے۔کوئی شخص کرتب کے زور سے اپنے آپ کو اس طرح دکھائے کہ اس کا پاؤں چھت پر ہو اور اس کا سر نیچے کی طرف لٹکا ہوا ہو تو بیشمار لوگ اس عجیب واقعہ کو دیکھنے کے لئے جمع ہو جائیں گے۔مگر لوگوں کو یاد نہیں کہ وہ خود اسی قسم کے عجیب تر واقعہ کی مثال ہیں۔کیونکہ ہم میں سے ہر شخص کا یہ حال ہے کہ وہ زمین کی سطح پر لٹکا ہوا ہے۔ زمین گول ہے۔زمین پر فی الواقع یہ صورت پائی جاتی ہے کہ آدمی اس کے اوپر مذکورہ کرتب باز آدمی کیطرح لٹکے ہوئے ہیں۔ہندستان والوں کے لئے امریکہ کے لوگ اس طرح ہیں کہ زمین کی سطح پر ان کا پاؤں ہے اور ان کا سر زمین کے نیچے لٹک رہا ہے اسی طرح امریکہ والوں کے لئے ہندستان کے لوگ سر نیچے اور پاؤں اوپر کئے ہوئے زمین پر چل پھر رہے ہیں۔

چھلانگ نہیں

A young man once came to a venerable master and asked
"How long will it take to reach enlightenment?"
The master said, "Ten years"
The young man blurred, "So long"
The master said, "No, I was mistaken. It will take you 20 years"
The young man asked, "Why do you keep adding to it"
The master answered, "Come to think of it, in your case it will probably be 30 years"

اوپر کا اقتباس فلپ کپلیو (Philip Kapleau) کے ایک مضمون سے لیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: ایک نوجوان شخص ایک بار ایک بزرگ استاد کے پاس آیا اور کہا: صاحب علم بننے میں کتنا وقت لگے گا۔

"دس سال" استاد نے جواب دیا۔

"اتنی لمبی مدت" نوجوان بولا۔

استاد نے کہا۔ "نہیں، مجھ سے غلطی ہو گئی۔ تمہارے لئے اس میں ۲۰ سال کی مدت درکار ہوگی۔"

نوجوان شخص نے پوچھا آپ مدت میں اضافہ کیوں کرتے جا رہے ہیں"۔

استاد نے جواب دیا: "بات کو سمجھو، تمہارے معاملہ میں غالباً اس کو ۳۰ سال لگ جائیں گے"۔

(آرڈی جنوری ۱۹۸۳) جو مقصد عام رفتار سے ۱۰ سال میں حاصل ہوتا ہو اس کو آپ دس دن میں حاصل کرنا چاہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ چھلانگوں کے ذریعہ اپنا سفر طے کرنا چاہتے ہیں۔ اور چھلانگوں کے ذریعہ سفر ہمیشہ اصل سفر کو طویل تر بنا دیتا ہے۔

چھلانگ لگانے والے کا انجام ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی چٹان سے ٹکرا جاتا ہے یا کسی کھڈ میں جا گرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو پیچھے لوٹ کر کسی اسپتال میں داخل ہونا پڑتا ہے جہاں وہ مدت تک علاج کے لئے پڑا رہے۔ اگر وہ عام رفتار سے چلتا تو وقت پر اپنی منزل تک پہنچ جاتا۔ مگر چھلانگ نے اس کو پیچھے ڈال کر اس کے سفر کو اور لمبا کر دیا۔

کسی کام میں دیر لگانا جتنا غلط ہے اتنا ہی غلط یہ بھی ہے کہ آپ اس کو جلد پورا کرنا چاہیں۔ ہر کام کی تکمیل کا ایک وقت ہے اور صحیح تکمیل وہی ہے جو اپنے وقت پر انجام پائے۔ دیر کرنا اگر سستی ہے تو جلدی کرنا بے صبری، اور خدا کی اس محکم دنیا میں دونوں بالآخر جہاں پہنچتے ہیں وہ بے انجامی کے سوا اور کچھ نہیں۔

چھلانگ نہیں

A young man once came to a venerable master and asked
"How long will it take to reach enlightenment?"
The master said, "Ten years"
The young man blurred, "So long"
The master said, "No, I was mistaken. It will take you 20 years"
The young man asked, "Why do you keep adding to it"
The master answered, "Come to think of it, in your case it will probably be 30 years"

اوپر کا اقتباس فلپ کپلیو (Philip Kapleau) کے ایک مضمون سے لیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: ایک نوجوان شخص ایک بار ایک بزرگ استاد کے پاس آیا اور کہا: صاحب علم بننے میں کتنا وقت لگے گا۔

"دس سال" استاد نے جواب دیا۔

"اتنی لمبی مدت" نوجوان بولا۔

استاد نے کہا۔ "نہیں، مجھ سے غلطی ہو گئی۔ تمہارے لئے اس میں ۲۰ سال کی مدت درکار ہوگی۔

نوجوان شخص نے پوچھا آپ مدت میں اضافہ کیوں کرتے جارہے ہیں"۔

استاد نے جواب دیا: "بات کو سمجھو، تمہارے معاملہ میں غالباً اس کو ۳۰ سال لگ جائیں گے"۔

(آرڈی جنوری ۱۹۸۳) جو مقصد عام رفتار سے ۱۰ سال میں حاصل ہوتا ہو اس کو آپ دس دن میں حاصل کرنا چاہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ چھلانگوں کے ذریعہ اپنا سفر طے کرنا چاہتے ہیں۔ اور چھلانگوں کے ذریعہ سفر ہمیشہ اصل سفر کو طویل تر بنا دیتا ہے۔

چھلانگ لگانے والے کا انجام ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی چٹان سے ٹکرا جاتا ہے یا کسی کھڈ میں جا گرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو پیچھے لوٹ کر کسی اسپتال میں داخل ہونا پڑتا ہے جہاں وہ مدت تک علاج کے لئے پڑا رہے۔ اگر وہ عام رفتار سے چلتا تو وقت پر اپنی منزل تک پہنچ جاتا۔ مگر چھلانگ نے اس کو پیچھے ڈال کر اس کے سفر کو اور لمبا کر دیا۔

کسی کام میں دیر لگانا جتنا غلط ہے اتنا ہی غلط یہ بھی ہے کہ آپ اس کو جلد پورا کرنا چاہیں۔ ہر کام کی تکمیل کا ایک وقت ہے اور صحیح تکمیل وہی ہے جو اپنے وقت پر انجام پائے۔ دیر کرنا اگر سستی ہے تو جلدی کرنا بے صبری، اور خدا کی اس محکم دنیا میں دونوں بالآخر جہاں پہنچتے ہیں وہ بے انجامی کے سوا اور کچھ نہیں۔

دو انسان

ایک بزرگ کا واقعہ ہے۔ کسی مسئلہ پر ان کی گفتگو ایک شخص سے ہوئی۔ گفتگو کے دوران بزرگ کی زبان سے کچھ سخت الفاظ نکل گئے۔ اس کے بعد دونوں الگ ہو گئے۔ یہ شام کا وقت تھا۔ عشار کی نماز کے بعد جب بزرگ اپنے بستر پر گئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے اندر بے چینی پیدا ہو رہی ہے۔ ان کا دل انھیں ملامت کرنے لگا کہ تم نے خدا کے ایک بندے کے ساتھ سخت کلامی کی۔ تم نے اپنے مقابلہ میں اس کو حقیر سمجھا۔ تمہارے اندر ابھی تک گھمنڈ کا جذبہ چھپا ہوا ہے۔ خدا کے یہاں اگر وہی آدمی بلند مرتبہ ہوا اور تم خدا کے یہاں بے قیمت ٹھہرو تو تم کیا کرو گے۔ تم کو یہ حق تو تھا کہ اپنے بھائی کی رائے سے اختلاف کرو۔ مگر تم کو یہ حق نہ تھا کہ برے الفاظ بول کر اس کو ذلیل کرو۔

اس قسم کے خیالات نے بزرگ کو اتنا بے چین کیا کہ ان کی نیند اڑ گئی، وہ رات بھر اپنے بستر پر کروٹیں بدلتے رہے۔ ایک بار وہ بستر سے اٹھے اور وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کیا، مگر انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے خدا ان کی نماز کو ان کے چہرہ پر مار رہا ہے۔ ان کی پریشانی اور زیادہ بڑھ گئی۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے فجر کی نماز ادا کی اور اس کے بعد فوراً مذکورہ آدمی کے گھر پہنچے۔ اس سے ملاقات کر کے اس سے معافی مانگی۔ اس وقت حال یہ تھا کہ ایک طرف ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دوسری طرف زبان سے یہ نکل رہا تھا۔ "خدا کے واسطے مجھے معاف کر دو"!

یہ اللہ سے ڈرنے والے شخص کا حال تھا۔ دوسرا آدمی وہ ہے جس کی اگر شام کے وقت کسی سے تکرار ہو جائے تو صبح کو وہ اس کے خلاف مزید سخت کارروائیاں کرنے کے منصوبے بناتا ہے۔ پچھلے دن اگر خود کسی کو برا بھلا کہا تھا تو اگلے دن اپنے ساتھیوں کو بھی اکساتا ہوا نظر آتا ہے کہ وہ اس کو ذلیل کریں۔ اگر ایک بار کسی سے شکایتی باتیں ہو گئیں تو ہمیشہ کے لئے اس کے خلاف کینہ اپنے دل میں رکھ لیتا ہے اور وہ سب کچھ کرتا ہے جو اس کو ذلیل اور برباد کرنے کے لئے وہ کر سکتا ہے۔

جس آدمی کے دل میں اللہ کا ڈر ہو اس کے لئے اللہ کا ڈر اس کا نگہبان بن جاتا ہے۔ وہ شام کی غلطی کی تلافی صبح کو کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس جو آدمی اللہ کے ڈر سے خالی ہو اس کا رہنما صرف اس کا نفس ہوتا ہے۔ وہ اپنے نفس کی رہنمائی میں ایک کے بعد ایک سرکشی کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔

جینے کا راز

ایک مسلمان لیڈر نے وزیراعظم اندرا گاندھی کے نام ایک خط لکھا۔ اس میں انہوں نے یہ شکایت کی کہ مسلم اقلیت کے ساتھ ہندوستان میں ظلم اور امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ انہوں نے دھمکی دی کہ اگر اس صورتِ حال کو ختم نہ کیا گیا تو ان کی پارٹی ستیہ گرہ شروع کر دے گی۔ اس کے جواب میں مسز اندرا گاندھی نے مکتوب نگار کو جو خط لکھا اس کا ایک جملہ یہ تھا۔

No minority could survive if their neighbours of the majority were irritated

کوئی اقلیت زندہ نہیں رہ سکتی اگر اس کی پڑوسی اکثریت مشتعل ہو۔ (ہندوستان ٹائمز ۱۲ فروری ۱۹۸۳)

اگر بالکل غیر جانبدار ہو کر دیکھا جائے تو وزیراعظم اندرا گاندھی کا یہ جملہ صورتِ حال کی نہایت صحیح ترجمانی ہے۔ نیز اس کے اندر مذکورہ مسئلہ کا حقیقی حل بھی چھپا ہوا ہے۔

موجودہ دنیا میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ مختلف اسباب سے ایک دوسرے کے خلاف ناراضگی کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں — کوئی آگے بڑھ گیا ہے تو دوسروں میں اس کے خلاف حسد کا جذبہ، کسی کو زیادہ مل گیا ہے تو اس کے مقابلہ میں اپنی محرومی کا احساس، کسی سے شکایت کی کوئی بات ہو جائے تو اس کے خلاف غصہ اور انتقام، وغیرہ۔ اس قسم کے جذبات انتہائی عام ہیں اور وہ ہر سماج میں بلکہ ہر گھر میں موجود ہوتے ہیں۔ مگر عام حالات میں وہ دلوں کے اندر چھپے رہتے ہیں۔ لوگوں کی روزمرہ کی مصروفیات بھی اس کے ابھرنے میں رکاوٹ بنی رہتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آجائے تو یہ جذبات ظاہر ہو جاتے ہیں۔

سماجی امن درحقیقت اس کا نام ہے کہ ان منفی جذبات کو دبا رہنے دیا جائے۔ اس کے برعکس سماجی بدامنی یہ ہے کہ کوئی نادانی کر کے ان چھپے ہوئے جذبات کو مشتعل کر دیا جائے۔

یہ زندگی کی ایک اٹل حقیقت ہے۔ موجودہ مقابلہ کی دنیا میں کوئی معاشرہ حتیٰ کہ کوئی خاندان اس سے خالی نہیں ہو سکتا۔ ایسی حالت میں زندگی کا راز صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ صبر اور حکمت کا طریقہ اختیار کر کے دبے ہوئے جذبات کو دبا رہنے دیا جائے۔ ان کو ہر قیمت پر بروئے کار آنے سے روکا جائے۔

زندگی کا یہی راز ہے جس کو ایک مفکر نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے — اس دنیا میں ہر آدمی کے پاس ایک وسیع قبرستان ہونا چاہئے جس میں وہ لوگوں کے قصوروں کو دفن کر سکے۔

دینے والے بنو

باٹا شو کمپنی باٹا خاندان کے نام پر ہے۔ یہ خاندان ابتداءً چیکوسلوکیا میں رہتا تھا۔ ۱۶۲۰ میں انہوں نے جوتا بنانے کا کام شروع کیا۔ ٹامس باٹا سینیئر (موجودہ باٹا کے والد) نے ۱۹۲۵ میں پہلی بار جوتے کا کارخانہ بنایا۔

ٹامس باٹا سینیئر اپنے ذاتی ہوائی جہاز میں اڑ رہے تھے کہ ان کا جہاز گہرے کہر میں پھنس کر گر گیا۔ اسی وقت وہ جل کر مر گئے۔ اس کے بعد سے ٹامس باٹا جونیئر باٹا لمیٹڈ کے پریسیڈنٹ ہیں۔ ان کی عمر اس وقت ۶۸ سال ہے۔

باٹا کمپنی کا کاروبار اس وقت ۱۱۴ ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ پچھلے سال اس کمپنی نے ۳۱۵ ملین جوڑے جوتے ساری دنیا میں فروخت کئے۔ اس کمپنی کا سب سے بڑا کاروبار کناڈا میں ہے۔ اور اس کے بعد دوسرے نمبر پر ہندوستان میں ہے۔ باٹا کمپنی اس وقت دنیا کا سب سے بڑا جوتا ساز ادارہ ہے۔ اس کے براہ راست ملازمین کی تعداد مجموعی طور پر تقریباً ۹۰ ہزار ہے۔ بالواسطہ کارکنوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

مسٹر ٹامس باٹا جونیئر ۱۹۸۳ میں چالیسویں بار ہندوستان آئے۔ اخباری نمائندے نے ایک ملاقات میں ان سے سوال کیا: آپ کی کامیابی کا واحد سب سے بڑا عامل کیا ہے جس نے آپ کو موجودہ کامیابی تک پہنچایا۔ مسٹر باٹا نے جواب دیا کہ ہم ہر قسم کے جوتے بناتے ہیں۔ سستے بھی اور انتہائی قیمتی بھی۔ مگر ہم ہر خریدار کی ضرورت مکمل طور پر پوری کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم اپنے خریداروں کا اتنا زیادہ لحاظ کرتے ہیں جتنا کوئی بھی نہیں کرتا۔

We realy look after our customers as nobody else

باٹا کی جوتا کمپنی کی عظیم کامیابی یہ سبق دے رہی ہے کہ ــــــ اگر تم اپنے لئے لینا چاہتے ہو تو دوسروں کو دینے کی کوشش کرو۔ کیوں کہ دوسروں کو دے کر ہی اس دنیا میں تم اپنے لئے پا سکتے ہو۔

تعمیر کی طاقت

چینی مفکر کنفیوشس کا قول ہے "ایک چھوٹا چراغ روشن کرنا اس سے بہتر ہے کہ تم تاریکی کو برا کہو" کیونکہ تاریکی کو برا کہہ کر ہم تاریکی کو دور نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم اگر تاریکی میں ایک چراغ جلادیں تو تاریکی اپنے آپ چلی جائے گی۔

رات نے اگر آپ کے چاروں طرف اندھیرا پھیلا دیا ہو تو اس کے خلاف لفظوں کا طوفان اٹھا کر آپ اس سے نجات نہیں پا سکتے۔ البتہ اگر آپ ایک شمع حاصل کر کے اس کو جلا دیں تو آپ دیکھیں گے کہ رات کے باوجود آپ کا ماحول روشن ہو گیا ہے۔

برائی کو ختم کرنا ہے تو بھلائی کا آغاز کر دیجئے۔ آپ کو لوگوں کی طرف سے بدسلوکی کا تجربہ ہو تو آپ ان سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آیئے۔ لوگ ظالم بنے ہوئے ہوں تو آپ انصاف کرنا شروع کر دیجئے لوگ آپ کے ساتھ امتیاز برت رہے ہوں تو آپ اس پر صبر کر کے اپنی کمیوں کی تلافی میں لگ جائیے۔ لوگ آپ کو اپنی تنقیدوں کا نشانہ بنائے ہوئے ہوں تو آپ ان کو نظر انداز کر کے اپنے اصل کام میں مصروف ہو جائیے۔ یہی کسی مسئلہ کو حل کرنے کا واحد طریقہ ہے۔ اس کے سوا جتنے طریقے ہیں وہ مسئلہ کو الجھانے والے ہیں نہ کہ مسئلہ کو حل کرنے والے۔

ایک مسلم نوجوان ایک مسجد میں امام مقرر ہوئے۔ اس مسجد کے بارہ میں مشہور تھا کہ یہاں کوئی امام ٹھہرتا نہیں۔ وہاں جتنے امام آئے سب تھوڑے دن کے بعد بیزار ہو کر چلے گئے۔ مسجد کے لوگ اماموں کو بہت کم تنخواہ دیتے تھے۔ ان کو عزت کی نظر سے دیکھنے کا سوال ہی نہ تھا۔

نوجوان کے اندر تعمیری مزاج تھا۔ اس نے سوچا، میرے پیش رو جو چیز مطالبہ کے ذریعہ حاصل نہ کر سکے، میں اس کو انشاء اللہ عمل کے ذریعہ حاصل کروں گا۔ اس نے خاموشی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ وہ نہ صرف اپنے مقررہ فرائض کو حسن و خوبی ادا کرے گا بلکہ فرائض سے زیادہ کام کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ مسجد کی صفائی کا پہلے سے زیادہ اہتمام کرتا۔ مسجد سے ملی ہوئی زمین پہلے خالی پڑی رہتی تھی۔ اب اس نے اس کی صفائی کر کے وہاں سبزی اور پھول لگا دیئے اور آبپاشی اور محنت کر کے اس کو سبزہ زار بنا دیا۔ محلہ کے لڑکے جو صبح و شام کھیل کود میں رہتے تھے ان کو مسجد میں بلا کر پڑھانا شروع کر دیا۔ اسی کے ساتھ وہ لوگوں کی تلخ باتوں کا جواب بھی میٹھے انداز میں دیتا۔ وہ لوگوں کی بدسلوکی کے باوجود ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا۔

اس قسم کے کاموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے مسجد والوں کے دل جیت لئے ۔ لوگ اس سے اتنا خوش ہوئے کہ اپنے آپ اس کی تنخواہ بڑھادی۔ اس کو کثرت سے تحفے تحائف ملنے لگے ۔ ہر آدمی اس کو عزت کی نظر سے دیکھنے لگا۔ لوگوں کی خواہش ہوئی کہ اس کے لئے ایسا انتظام کریں کہ وہ یہاں مستقل رہنے لگے ۔ یہاں سے چھوڑ کر کہیں اور نہ جائے ۔ چنانچہ اس کے لئے مسجد سے متصل ایک رہائشی کوارٹر بنایا گیا تاکہ وہ اپنے گھر والوں کو وہاں لائے اور دل جمعی کے ساتھ وہاں رہے ۔

زندگی کا یہی راز ہے جس کو شیکسپیر نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے ــــ تمہیں کیا چاہئے ، جو کچھ بھی تمہیں چاہئے اس کو مسکراہٹ کی طاقت سے حاصل کرو نہ کہ تلوار کی طاقت سے "۔ بیشتر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے محض وقتی جذبات کے تحت کام کرتے ہیں ۔ اگر وہ سوچ سمجھ کر کام کریں تو انہیں معلوم ہو کہ وہ جو کچھ "تلوار" کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کو وہ "مسکراہٹ" کے ذریعہ زیادہ بہتر طور پر حاصل کر سکتے ہیں۔

آدمی کو بیک وقت دو چیزوں کی ضرورت ہے ۔ پیسہ اور اخلاق ۔ پیسہ آپ کو آپ کی ضرورتیں دیتا ہے اور اخلاق آپ کو لوگوں کے درمیان اچھی طرح رہنے کے قابل بناتا ہے ۔ آدمی کو اگر اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے پیسہ چاہئے تو اسی کے ساتھ اس کو لوگوں سے اچھا نباہ کرنے کے لئے اچھا اخلاق بھی چاہئے ۔ مگر اکثر آدمی پہلی چیز حاصل کرنے کے لئے محنت کرتے ہیں اور دوسری چیز حاصل کرنا بھول جاتے ہیں ۔ چین کی ایک کہاوت میں ان دونوں چیزوں کی اہمیت کو بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ــــ "اگر تمہارے پاس دو پیسے ہوں تو ایک سے روٹی خریدو اور دوسرے سے پھول۔ روٹی تمہیں زندگی دے گی اور پھول تم کو جینے کا فن سکھائے گا "

زندگی کا معرکہ

" سب کچھ لٹ جانے پر بھی مستقبل باقی رہتا ہے " بودی کا یہ قول زندگی کی ایک اہم حقیقت کو بیان کر رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے امکانات لٹ گئے ہوں تو وہ یقینی طور پر ماضی کے امکانات ہوں گے نہ کہ مستقبل کے امکانات ۔ آدمی خواہ کتنا ہی زیادہ برباد ہو جائے ۔ بہر حال اس کی بربادی اس کے ماضی کی بربادی ہوتی ہے ۔ اس کا مستقبل پھر بھی پوری طرح اس کے لئے موجود ہوتا ہے ۔ وہ مستقبل کی طرف اپنے سفر کا آغاز کر کے دوبارہ اپنے لئے ایک نئی کامیاب زندگی پا سکتا ہے ۔

کسی حادثہ سے دوچار ہونے کے بعد اگر آدمی یہ کہہ سکے کہ میں نے "ماضی کو کھویا ہے مگر میں نے مستقبل کو نہیں کھویا" تو گویا کہ اس نے جو چیز کھوئی تھی اس سے بھی زیادہ بڑی چیز اس نے دوبارہ پالی ۔

کیوں کہ اس کا یہ احساس اس کو ایک نیا آغاز عطا کرتا ہے ، اور اس دنیا میں حقیقی آغاز ہی کا دوسرا نام کامیابی ہے ۔

رابرٹ کولیئر نے نہایت صحیح کہا ہے کہ "انسان کی سب سے اچھی دوست اس کی دس انگلیاں ہیں" دس انگلیوں سے اس کی مراد آدمی کے دو ہاتھ ہیں ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آدمی کے دو ہاتھ جن میں اس کی دس انگلیاں ہیں ، یہ اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا تمام سونا بھی ان کی قیمت نہیں۔ آدمی جب اپنا باہر کا اثاثہ کھو چکا ہو ، اس وقت بھی اس کی دس انگلیاں اس کے پاس پوری طرح موجود ہوتی ہیں ۔ انہیں انگلیوں اور انہیں دونوں ہاتھوں سے اس نے حاصل کیا تھا جو کچھ اس نے حاصل کیا تھا ۔ اب دوبارہ وہ ان کو استعمال کر کے پھر وہی چیز پا سکتا ہے جس کو اس نے پہلے حاصل کیا تھا ، اور پھر اس نے ان کو کھو دیا ۔

مسٹر جے سی ملک ایک فوجی پائلٹ تھے ۔ انہوں نے اپنے تجربات کی روشنی میں فائٹر پائلٹ (ہندستان ٹائمس ۵ مئی ۱۹۸۲) کے بارے میں ایک مضمون شائع کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ فوجی پائلٹ جب ایک جنگی جہاز لے کر اڑتا ہے تو یہ اس کے لئے گویا موت کی طرف سفر کرنے کے ہم معنی ہوتا ہے ۔ اس کا آواز سے تیز رفتار جہاز اتنی بلندی پر اڑتا ہے جہاں عملاً مہیب خلا کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔ وہ اپنا سارا سفر مشین کے اعتماد پر کرتا ہے ۔ وہ یا تو اپنا کام کر کے دوبارہ اپنے سابقہ مقام پر واپس آجاتا ہے یا دشمن کا نشانہ بن کر ختم ہو جاتا ہے ۔

فوجی پائلٹ کے اس جوکھم کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر ملک نے ایک بڑا سبق آموز جملہ لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ پائلٹ کے اندر اس وقت جو آدمی ہے وہ ڈر کو جانتا ہے ، اس کے اندر جو کارکن ہوا باز ہے اس نے اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کر رکھا ہے کہ وہ اس پر قابو پا سکے :

> The man in him knows fear. But the professional pilot in him has taught and trained himself to master it

یہ بات جو مضمون نگار نے فوجی پائلٹ کے بارے میں کہی ہے وہی زندگی کے عام معرکہ کے لئے بھی صحیح ہے ۔ زندگی ایک سخت معرکہ ہے جس کا سامنا ہر آدمی کو کرنا پڑتا ہے ۔ انسان کی کمزوریاں اس کو ڈراتی ہیں اس کے بظاہر ناموافق حالات اس کو بے ہمت کرتے ہیں ۔ لیکن آدمی کو اگر زندگی کا معرکہ جیتنا ہے تو اس کو یہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو سنبھالے ، مشکلات سے گھبرانے کے بجائے وہ مشکلات پر فتح حاصل کرنے کی کوشش کرے ۔

حافظہ پیچھے دیکھتا ہے اور امید آگے" رام چندر ٹنڈن کا یہ قول اسی حقیقت کو ایک اور انداز سے بیان کرتا ہے۔ ڈر یا ناامیدی دراصل حافظہ کا ایک معاملہ ہے۔ ہمارے ذہن میں جو پچھلی یادیں چھپی ہوئی ہیں ان میں سے کسی یاد کو ہم اپنے ساتھ جوڑ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صورت جو فلاں کے ساتھ پیش آئی تھی وہ ہمارے ساتھ بھی نہ پیش آجائے۔ اگر ہم پچھلی یادوں کو نظرانداز کرکے آگے کے امکانات پر اپنے ذہن کو جمادیں تو معلوم ہوگا کہ جہاں ہم صرف خطرہ دیکھ رہے تھے وہیں ہمارے لئے ایک نیا شاندار امکان چھپا ہوا تھا۔ کسی نے صحیح کہا ہے " ہر خاتمہ ایک نئے امکان کا آغاز ہے مگر بہت کم لوگ ہیں جو اس راز کو جانتے ہوں۔

ایک مقولہ ہے کہ ہوائیں اکثر اوقات اس رخ کے خلاف چلتی ہیں جو کشتیاں چاہتی ہیں
(الریاح فی معظم الاحیان تجری علیٰ خلاف ماتریدہ السفن)

زندگی ایک ناہموار سفر ہے۔ زندگی میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے باہر کے حالات بالکل ویسے ہی ہوں جیسا کہ آپ چاہتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حالات آپ کے ساتھ موافقت نہیں کرتے۔ آپ کو اپنی زندگی کا سفر حالات سے لڑکر طے کرنا ہوتا ہے۔

زندگی کی مثال دندانہ دار پہیہ (Cog Wheel) کی ہے۔ ایک دندانہ انسان کا ہے اور دوسرا دندانہ قدرت کا۔ جب تک قدرت کا پہیہ نہ چلے انسان کا پہیہ نہیں چل سکتا۔

انسان جو کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے وہ ان کو محض اپنی ذاتی کوشش سے حاصل نہیں کرسکتا۔ ذاتی کوشش کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ باہر کے اسباب اس کے ساتھ موافقت کریں۔ گویا کہ موجودہ دنیا میں کسی کامیابی کو پانے کے لئے بیک وقت دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک آدمی کی اپنی ذاتی محنت۔ دوسرے باہر کے حالات کی موافقت۔

آدمی کو یقیناً اپنے آپ پر قابو حاصل ہے۔ مگر خارجی اسباب پر اس کا کوئی اختیار نہیں۔ ایسی حالت میں موجودہ دنیا میں کامیابی کی صرف ایک ہی صورت ہے۔ یہ کہ ہم اپنی زندگی کا منصوبہ بناتے ہوئے خارجی اسباب کا بھی ضرور لحاظ رکھیں۔ خشکی پر چلنے کی قوت رکھتے ہوئے سمندر میں چھلانگ نہ لگائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حالات سے ہم آہنگی کرکے اپنا راستہ نکالنے کا نام کامیابی ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگ حالات سے لڑکر اپنا راستہ نکالنے میں کامیابی کا راز بتاتے ہیں۔

(نوٹ) یہ تقریر ۱۰-۱۱ دسمبر ۱۹۸۲ کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کی گئی۔

یکساں برتاؤ

ویل للمطففین۔ الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون۔ واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون۔ الا یظن اولٰئک انھم مبعوثون۔ لیوم عظیم۔ یوم یقوم الناس لرب العٰلمین۔ (المطففین)

خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔ وہ لوگ کہ جب دوسروں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں۔ اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن وہ اٹھائے جانے والے ہیں، اس دن جب کہ تمام لوگ خداوند عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے

دوسروں کو ان کے حق سے کم کر کے دینا برا ہے۔ مگر دوسروں سے لیتے وقت پورا پورا لینا اور اپنے پاس سے دوسروں کو دینا ہو تو کمی کر کے دینا اور بھی زیادہ برا ہے۔ جو آدمی ایسا کرے وہ خدا کی نظر میں سخت گنہ گار ہے۔ ایسا آدمی گویا خود ہی اپنے جرم کو ثابت کر رہا ہے۔ کیونکہ اس کا عمل بتا رہا ہے کہ وہ انصاف اور ناانصافی کے فرق کو جانتا ہے۔ ظلم کا ظلم ہونا اس پر بخوبی واضح ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنی ذات کے لئے کم ملنے کے بارہ میں اتنا حساس کیوں ہوتا۔ جو دکان دار خریدتے ہوئے پورا تول کر لے اور بیچتے ہوئے کم تول کر دے، اس کے بدترین مجرم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

ظاہر الفاظ کے مطابق اس آیت میں لین دین کو صحیح رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہاں انسان کی ایک نفسیاتی برائی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور وہ ہے اپنے لئے کچھ پسند کرنا اور دوسروں کے لئے کچھ۔

وہ سارے لوگ اس آیت کے ذیل میں آتے ہیں جن کا حال یہ ہو کہ وہ دوسروں کی عزت نہ کریں اور خود یہ چاہیں کہ ان کی عزت کی جائے۔ جو خود کسی کو سلام نہ کریں مگر یہ چاہیں کہ لوگ انہیں سلام کریں۔ جو دوسروں کے ساتھ کبھی انصاف نہ کریں مگر اپنے لئے یہ چاہیں کہ لوگ ان کے ساتھ مکمل انصاف کریں۔ خود وعدہ خلافی کریں تو انہیں کوئی احساس نہ ہو مگر جب دوسرا ان کے ساتھ وعدہ خلافی کرے تو بھڑ اٹھیں۔ وہ دوسروں سے خدمت لینے کو اپنا حق سمجھیں مگر دوسرے کی خدمت کرنا انھیں بالکل یاد نہ رہے۔ مزدور سے کام لیتے ہوئے یہ چاہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ کام کرے مگر اجرت دیتے وقت یہ چاہیں کہ کم سے کم اجرت دینی پڑے۔ وہ دوسروں کو بے فکری کے ساتھ ستائیں مگر جب انھیں کوئی تکلیف پہنچائے تو چیخ اٹھیں۔

انسانی زندگی کے لئے خدا کا پسندیدہ اصول یہ ہے کہ آدمی کا جو برتاؤ لینے میں ہو۔ وہی اس کا برتاؤ دینے میں ہو۔ جو آدمی اس کے خلاف عمل کرے وہ خدا کے نقشے کے خلاف چل رہا ہے۔ اور خدا کے نقشے کے خلاف چلنے والے کے لئے خدا کی دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔

تحریکیں ناکام کیوں

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں نے اپنے مسائل کو حل کرنے کے لئے جو تحریکیں اٹھائیں۔ وہ سب کی سب اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہیں۔ اس کا سبب مذکورہ آیت کی روشنی میں معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ان تحریکوں کے لیڈر دوسروں سے اپنے خلاف جس ظلم کی شکایت کر رہے تھے وہ خود دوسروں کے خلاف وہی ظلم کر رہے تھے۔ قرآن کے مطابق ایسے لوگوں کے لئے اس دنیا میں خدا کا غضب ہے نہ کہ خدا کی نصرت۔

الرسالہ مارچ ۱۹۸۳ صفحہ ۴۴ پر ایک تنقیدی مضمون شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں اگرچہ کسی کا نام نہیں لیا گیا تھا۔ تاہم مسلمانوں کے کچھ لیڈر جو اپنے اعلان کے مطابق، قوم کے خلاف ظالموں کے ظلم کو ختم کرنے کی مہم چلا رہے ہیں، انہوں نے محسوس کیا کہ اس کی زد ان کے اوپر پڑ رہی ہے ان کے آدمی ہمارے دفتر میں آئے۔ وہ بے حد مشتعل تھے۔ انہوں نے ہم کو برا بھلا کہا اور دھمکیاں دیں۔ ہم تمہارے اوپر مقدمات چلائیں گے، ہم تم کو نکال باہر کریں گے۔ ہم تمہارا خاتمہ کر دیں گے، وغیرہ۔

میں نے کہا کہ میرے ساتھ آپ جو کچھ کریں گے وہ تو بعد کی بات ہے۔ آپ دیکھئے کہ اپنے اس طرز عمل سے آپ خود اپنے کو کس خانہ میں ڈال رہے ہیں۔ آپ ثابت کر رہے ہیں کہ آپ کا معیار اپنے لئے کچھ ہے اور دوسروں کے لئے کچھ۔

آپ کے بیان کے مطابق آپ کو ہمارے ایک مضمون سے شکایت پیدا ہو گئی حالانکہ اس میں آپ کا نام شامل نہ تھا۔ ایسے صرف ایک مضمون کی بنا پر آپ ہم سے اتنا بگڑے ہوئے ہیں کہ ہم کو مٹا ڈالنا چاہتے ہیں۔ پھر جن لوگوں کو آپ ظالم کہتے ہیں ان کے پاس تو آپ کے خلاف اس سے بہت زیادہ بڑی بڑی شکایتیں موجود ہیں۔ یہ لوگ جو ظلم کر رہے ہیں وہ بھی یوں ہی بلا سبب نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ مختلف قسم کی شکایتوں اور ناراضگیوں کی بنیاد پر کر رہے ہیں۔ پھر آپ کے لئے معمولی شکایت کی بنا پر کسی کو برباد کرنے کا منصوبہ بنانا اگر جائز ہے تو وہی دوسرے لوگوں کے لئے ناجائز کیوں ہو۔ یہ تضاد موجودہ زمانہ کے تمام مسلم لیڈروں میں موجود ہے اور یہی تضاد ان کی تمام تحریکوں کو بے نتیجہ بنائے ہوئے ہے۔

مارکس کا تضاد

انیسویں صدی میں سائنس کی ترقی نے انسانی ذہن پر زبردست اثر ڈالا۔ سائنس دانوں نے معلوم کیا کہ طبیعی دنیا کے کچھ اٹل قوانین ہیں اور ان کو معلوم کر کے نہایت کامیابی کے ساتھ ان کو تمدنی ترقی کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

سائنس اپنے شاندار نتائج کی بنا پر انسانی ذہن پر غالب آگئی۔ چنانچہ ہر میدان میں ایسے لوگ پیدا ہوگئے جو اس کوشش میں مصروف تھے کہ چھپے ہوئے اٹل قوانین کا پتہ لگائیں اور ہر چیز کو عین سائنس ثابت کریں۔

کارل مارکس کی سائنٹفک سوشلزم بھی اسی ذہن کی پیداوار تھی۔ اس زمانے میں فرانس اور جرمنی اور برطانیہ میں ایسے مفکرین ظہور میں آچکے تھے جو اپنے زمانہ کے معاشرتی مسائل پر سائنسی اصول کو چسپاں کر رہے تھے۔ ان کو یہ شوق تھا کہ وہ ایسے سوشل قوانین کا پتہ چلائیں جو طبیعی قوانین کی طرح اٹل ہوں اور افراد کی مرضی اور خواہش کے محتاج نہ ہوں۔ اس طرح انھیں یہ یقین بھی حاصل ہوا تھا تاکہ مزدور طبقہ کے حقوق کو آئندہ رد نہ کیا جاسکے گا۔ اس میں سرمایہ دار طبقہ کے مقابلہ میں مزدور طبقہ کی جیت یقینی نظر آتی تھی۔

کارل مارکس نے اس فکر کو زیادہ منظم طور پر اور زیادہ قوت کے ساتھ پیش کیا۔ مگر بے جان مادی دنیا کو باشعور انسانوں پر چسپاں کرنا سراسر ایک احمقانہ حرکت تھی یہی وجہ ہے کہ مارکس کے اولین ساتھیوں کو اپنے زمانہ ہی میں یہ ضرورت محسوس ہونے لگی کہ وہ مارکس کے خیالات کو معتدل بنانے کے لئے اس کی تعبیر نو کریں۔ مثلاً انگلس کو یہ کہنا پڑا کہ "ہم کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ مارکس کن حالات میں لڑ رہے تھے اور یہ کہ ان کی جنگ ایسے لوگوں سے تھی جو معاشی اسباب کو کوئی مقام دینے کیلئے ہرگز تیار نہ تھے۔

مارکس کے نزدیک مادہ اور انسان میں صرف اتنا فرق ہے کہ اول الذکر (Matter) ہے اور انسان (Thinking Matter)

آج سوشلسٹ نظام میں بھی طبقات بدستور باقی ہیں۔ البتہ ان کے نام بدل گئے ہیں۔ "مالک" کی جگہ اب "پارٹی" نے لے لی ہے، گویا تھنکنگ میٹر صرف میٹر کے مقام پر نہ رہ سکا۔ بلکہ دوبارہ وہ تھنکنگ میٹر بن گیا۔

شعوری ایمان

قاضی مجتبیٰ حسن زنجانی (پیدائش ۱۹۱۵) حکومتِ ہند میں جوائنٹ چیف کنٹرولر امپورٹ اینڈ اکسپورٹ تھے۔ ۱۴ فروری ۱۹۸۳ کی ملاقات میں انہوں نے ایک دلچسپ واقعہ بتایا۔

۱۹۳۵ میں جب کہ الہ آباد میں وہ تعلیم حاصل کر رہے تھے اصغر گونڈوی بھی وہاں مقیم تھے۔ اصغر صاحب اس وقت ہندوستانی اکیڈمی کے "تماہی رسالہ" کے مدیر تھے۔ جناب زنجانی صاحب اور ان کے کچھ نوجوان ساتھی ایک روز اصغر گونڈوی سے ملنے کیلئے گئے۔ وہاں مجلس میں ایک اور صاحب موجود تھے جو ان طلبہ کے آزادانہ خیالات سے واقف تھے۔ انہوں نے اصغر گونڈوی سے کہا۔

"حضرت یہ لڑکے انگریزی پڑھ کر دہریے ہو گئے ہیں"۔

اصغر گونڈوی یہ سن کر فوراً سنجیدہ ہو گئے۔ "ان کو دہریہ نہ کہو" انہوں نے کہا۔ "یہ ابھی لا الٰہ کی منزل میں ہیں۔ اس کے بعد جب وہ اِلّا اللہ کی منزل میں پہنچیں گے تو وہ تم سے اچھے مسلمان ہونگے"۔

اصغر گونڈوی کے اس جملہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ انہوں نے ایک واقعہ کے تاریک پہلو کو لینے کے بجائے اس کے روشن پہلو کو لیا۔ خدا اور مذہب کے بارہ میں ایک آدمی کے تشکیکی خیالات کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ باقاعدہ طور پر خدا و مذہب کا منکر ہو۔ مگر اسی کے ساتھ یہاں دوسرا امکان بھی ہے۔ وہ یہ کہ آدمی تلاش کے مرحلہ میں ہو۔ اصغر گونڈوی نے نوجوانوں کی "دہریت" کو انکار کے معنی میں لینے کے بجائے اس کو تلاش کے معنی میں لیا۔

اس کے اندر ایک اور حکمت بھی ہے وہ یہ کہ "تلاش" کے مرحلہ سے گذر کر جو شخص "یافت" کے مرحلہ تک پہنچتا ہے اس کا ایمان بے حد پختہ ہوتا ہے۔ جو آدمی شعوری طور پر "نہیں" کا انکار کرے اور شعوری طور پر "ہے" کو اختیار کرے اس کے ایمان میں جوش اور یقین اور زندگی ہوتی ہے۔ اس کا ایمان ان لوگوں سے بہت بلند ہوتا ہے جنہوں نے "نہیں" کا تجربہ نہیں کیا۔ جن کو نسلی اور روایتی طور پر ایک عقیدہ مل گیا اور وہ اس سے مانوس ہو کر اس سے وابستہ ہو گئے۔

روایتی ایمان ایک آبائی تقلید ہوتا ہے۔ اور شعوری ایمان ایک ذاتی دریافت۔ اوّل الذکر ایمان آدمی کی زندگی کا بس ایک ضمیمہ ہوتا ہے۔ جبکہ ثانی الذکر ایمان اس کے وجود میں خون اور حرارت بن کر داخل ہو جاتا ہے۔ ایک اگر بے روح ایمان ہے تو دوسرا حقیقی معنوں میں زندہ ایمان۔

مسلمان وہ ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

رسول اللہ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں

آدمی جب حقیقی طور پر خدا کو پاتا ہے تو اس کی قدرت اور جلال کے آگے اس کی ہستی بالکل دب جاتی ہے۔ وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنے وجود کو خدا کے آگے ڈال دے۔ وہ اپنے آپ کو پوری طرح خدا کے حوالے کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دراصل ایسے ہی انسان کے طرز عمل کو بیان کرتا ہے۔ جو شخص اس طرح مسلم بنتا ہے وہ ایسا انسان ہوتا ہے جو خدا کو ہر آن اپنے اوپر طاری کئے ہوئے ہو۔ اس کا پورا رویہ اس احساس کے تحت متعین ہوتا ہے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔ اگر وہ خدا کی مرضی کے خلاف چلے تو وہ خدا کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔

یہ احساس مسلمان کی زبان سے یہ صلاحیت ختم کر دیتا ہے کہ وہ کسی کے خلاف استعمال ہو۔ یہ احساس مسلمان کے ہاتھ سے یہ طاقت چھین لیتا ہے کہ وہ کسی کے خلاف دست درازی کرے۔ اس کی زبان کھلتی ہے تو صحیح بات کہنے کے لئے کھلتی ہے۔ اس کا ہاتھ اٹھتا ہے تو انصاف کو قائم کرنے کے لئے اٹھتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو حق کی جانب کھڑا کرتا ہے نہ کہ ناحق کی جانب۔

موجودہ دنیا دار الامتحان ہے۔ یہاں آدمی کو آزمائش کے لئے رکھا گیا ہے۔ آزمائش ہمیشہ اس وقت ہوتی ہے جب کہ آدمی دو چیزوں کے درمیان ہو۔ سورج چاند حالت امتحان میں نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ہی متعین انداز میں سفر کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس انسان حالت امتحان میں ہے۔ کیونکہ وہ اختیار رکھتا ہے کہ چاہے تو ایک رخ پر حرکت کرے اور چاہے تو دوسرے رخ پر۔

اس حقیقت کی روشنی میں دیکھئے تو مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان وہ ہے جس کو موقع ہو کہ وہ اپنے بھائی کے خلاف اپنی زبان کھولے مگر اس کے باوجود وہ خدا کی خاطر اپنی زبان کو بند کر لے مسلمان وہ ہے جس کو یہ موقع ہو کہ وہ اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ اٹھائے مگر خدا کا خوف اس کے اوپر اتنا غالب ہو کہ اس کا ہاتھ اس کے بھائی پر اٹھنے سے رک جائے۔

موجودہ دنیا میں آدمی ہر آن انصاف اور بے انصافی کے درمیان ہے۔ مسلمان وہ ہے جس نے بے انصافی کو چھوڑ کر انصاف کا راستہ اختیار کیا، اگرچہ بے انصافی کا راستہ بھی اس کے لئے پوری طرح کھلا ہوا تھا۔

مشورہ

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم المستشار موتمن

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے مشورہ کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

عن ابی هریرہ قال ما رأیت احدا اکثر مشورہ لاصحابہ من رسول الله صلی الله علیه وسلم (ترمذی، فضائل الجہاد)

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو اتنا زیادہ مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے تھے۔

قال جعفر الصادق رضی الله عنه بسفیان الثوری شاور فی امرك الذین یخشون الله تعالیٰ۔ (تعلیم المتعلم للشیخ الزرنوجی)

امام جعفر صادق نے سفیان ثوری سے کہا: اپنے معاملات میں ان لوگوں سے مشورہ کرو جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔

قال علی کرم الله وجهه ما هلك امرؤ عن مشورة۔ (تعلیم المتعلم)

حضرت علی کا قول ہے کہ مشورہ سے کوئی انسان کبھی ہلاک نہیں ہوتا۔

عن ابن عباس من اراد امرا فشاور فیه امرأ مسلما وفقه الله تعالیٰ لارشد امورہ ماتشاور قوم قط الا هدوا لارشد امرهم (مدارک التنزیل)

عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں کہ جو شخص کوئی کام کرنا چاہے پھر کسی مرد مسلم سے مشورہ کرے تو اللہ تعالیٰ کام کے بہتر پہلو کی طرف اس کی رہنمائی کر دیتا ہے جو لوگ بھی مشورہ کی پابندی کرتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے معاملہ کے زیادہ درست پہلو کو پا لیتے ہیں۔

من اشار علیٰ اخیه بشیٔ یعلم الرشد فی غیرہ فقد خان۔ (تفسیر ابن جریر)

جس نے اپنے بھائی کو جان بوجھ کر غلط مشورہ دیا اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔

آدمیوں میں کوئی زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے اور کوئی کم سمجھ والا۔ کسی کے سامنے ایک پہلو ہوتا ہے۔ اور کسی کے سامنے دوسرا پہلو۔ کوئی متاثر رائے قائم کرتا ہے اور کوئی غیر متاثر رائے۔ ایسی حالت میں آدمی کے لئے بہترین تدبیر یہ ہے کہ دوسروں سے مشورہ کر لیا جائے تاکہ مختلف رایوں کے سامنے آنے کے بعد صحیح فیصلہ کیا جا سکے۔ مشورہ گویا کہ دوسروں کی صلاحیتوں کے ذریعہ اپنی کمیوں کی تلافی ہے۔

یہ بھی سنت ہے

عن انس قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد فافعل ثم قال یا بنی وذلک من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے لڑکے، اگر تو اس پر قادر ہو کہ تو صبح اور شام اس طرح کرے کہ تیرے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہ ہو تو ایسا کر۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے، یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

رسول کی سنت کا تعلق صرف کپڑا، بال اور مسواک جیسی چیزوں سے نہیں ہے بلکہ ایک آدمی کی زندگی کے پورے رویے سے ہے۔

لوگوں کے درمیان آپ کیسے رہیں، اس کے بارے میں سنت رسول یہ ہے کہ آپ کا دل لوگوں کے بارے میں برے جذبات سے پاک ہو۔ جب بھی ایک آدمی دوسرے آدمیوں کے درمیان رہتا ہے تو طرح طرح کے باہمی معاملات پیش آتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بار بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کو دوسرے کے خلاف رنجش اور شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا ہونا فطری ہے۔ مگر خدا کے رسول کی سنت یہ ہے کہ ایسے جذبات کو اپنے دل میں ٹھہرنے نہ دیا جائے بلکہ انھیں باہر نکال دیا جائے۔

شکایتوں کو نظر انداز کرنا۔ رنجشوں کو بھول جانا، غلطیوں کو معاف کر دینا، تکلیف کو اپنے اوپر سہہ لینا بجائے اس کے کہ اس کو دوسرے کے اوپر ڈالا جائے، یہ پیغمبر کا طریقہ ہے اور جنت انھیں لوگوں کے لئے ہے جو پیغمبر کے طریقہ کو اختیار کریں۔

جو لوگ پیغمبر کے طریقہ کو چھوڑ کر اپنے نفس کی ترغیبات پر چلیں، جو لوگ اپنے سینے کو منفی جذبات سے پاک کرنے کے بجائے اس کو منفی جذبات کا آشیانہ بنائیں۔ وہ آخرت میں پیغمبروں اور خدا کے نیک بندوں کی آبادی سے دور ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے پیغمبروں اور نیک بندوں کی روش کو اپنے لئے پسند نہیں کیا۔

یہ بھی سنت ہے

عن انس قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد فافعل ثم قال یا بنی وذلک من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے لڑکے، اگر تو اس پر قادر ہو کہ تو صبح اور شام اس طرح کرے کہ تیرے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہ ہو تو ایسا کر۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے، یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

رسول کی سنت کا تعلق صرف کپڑا، بال اور مسواک جیسی چیزوں سے نہیں ہے بلکہ ایک آدمی کی زندگی کے پورے رویہ سے ہے۔

لوگوں کے درمیان آپ کیسے رہیں، اس کے بارے میں سنت رسول یہ ہے کہ آپ کا دل لوگوں کے بارے میں برے جذبات سے پاک ہو۔ جب بھی ایک آدمی دوسرے آدمیوں کے درمیان رہتا ہے تو طرح طرح کے باہمی معاملات پیش آتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بار بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کو دوسرے کے خلاف رنجش اور شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا ہونا فطری ہے۔ مگر خدا کے رسول کی سنت یہ ہے کہ ایسے جذبات کو اپنے دل میں ٹھہرنے نہ دیا جائے بلکہ انھیں باہر نکال دیا جائے۔

شکایتوں کو نظر انداز کرنا۔ رنجشوں کو بھول جانا، غلطیوں کو معاف کر دینا، تکلیف کو اپنے اوپر سہہ لینا بجائے اس کے کہ اس کو دوسرے کے اوپر ڈالا جائے، یہ پیغمبر کا طریقہ ہے اور جنت انھیں لوگوں کے لئے ہے جو پیغمبر کے طریقہ کو اختیار کریں۔

جو لوگ پیغمبر کے طریقہ کو چھوڑ کر اپنے نفس کی ترغیبات پر چلیں، جو لوگ اپنے سینے کو منفی جذبات سے پاک کرنے کے بجائے اس کو منفی جذبات کا آشیانہ بنائیں۔ وہ آخرت میں پیغمبروں اور خدا کے نیک بندوں کی آبادی سے دور ہوں گے۔ کیونکہ انھوں نے پیغمبروں اور نیک بندوں کی روش کو اپنے لئے پسند نہیں کیا۔

جھوٹی دینداری

مکہ کے مشرکین معروف معنوں میں لامذہب نہ تھے۔ وہ زور شور کی حد تک مذہبی بنے ہوئے تھے۔ وہ اپنے کو دین ابراہیمی کا وارث اور حامل سمجھتے تھے۔ ان کی کمی یہ تھی کہ دین کی حقیقی روح ان کے اندر سے غائب ہوگئی تھی۔ چنانچہ قرآن میں ان کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے: مسجد حرام کے حقیقی ولی وہ لوگ ہیں جو تقویٰ والے ہیں۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور ان کی نماز بیت اللہ کے پاس کیا ہوتی ہے تین سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا۔ (الانفال ۳۴-۳۵)

یہی بات بائبل میں یہود کو خطاب کرتے ہوئے ان لفظوں میں کہی گئی ہے: تو اپنے سرود کا شور میرے حضور سے دور کر۔ کیونکہ میں تیرے رباب کی آواز نہ سنوں گا۔ لیکن عدالت کو پانی کی مانند اور صداقت کو بڑی نہر کی مانند جاری رکھ۔ (عاموس ۵: ۲۳-۲۴)

قوموں میں جب بگاڑ آتا ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ ان کے درمیان دین کا نام ونشان مٹ جائے۔ ایسا نہ پہلے ہوا اور نہ آئندہ کسی کے یہاں ہوگا۔ جو بات ہوتی ہے وہ یہ کہ دین کی حقیقت غائب ہوجائے۔ البتہ اس کی ظاہری شکلوں کی دھوم خوب بڑھ جائے۔

جب ایسا ہوتا ہے تو "رباب" پر خدائی حمد کا شور بہت بڑھ جاتا ہے۔ مگر دل کے تاروں پر خدا کا نغمہ چھڑنا بند ہوجاتا ہے۔ عوامی مجلسوں میں دینی باتوں کی دھوم خوب ہونے لگتی ہے۔ مگر تنہائیوں میں خدا کے خوف سے تڑپنے والے ختم ہوجاتے ہیں۔ دوسروں کو مجرم ثابت کرنے کے لیے زبانیں تیزی سے چلنے لگتی ہیں۔ مگر اپنی خطاؤں کا اقرار کرنے کی تڑپ لوگوں میں باقی نہیں رہتی۔ دوسروں کی بے انصافی کا اعلان کرنے والے بہت پیدا ہوجاتے ہیں۔ مگر اپنی بے انصافی کی اصلاح کرنے والے کہیں نظر نہیں آتے۔ یوم ملت اور یوم اسلام منانے والوں کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے۔ مگر یوم خویش منانے والے معدوم ہوجاتے ہیں۔ قوم کو بچانے کے لیے ہر شخص بے تاب نظر آتا ہے مگر فرد کو بچانے کے لیے کوئی نہیں اٹھتا۔

جو اپنی ذات میں عدل وانصاف کا آبشار بن جائے۔ جس کے قول وعمل سے سچائی کی نہریں جاری ہوجائیں۔ وہی حقیقت میں خدا پرست ہے۔ مگر یہی وہ خدا پرست ہے جس کا آج کی دنیا میں کہیں وجود نہیں۔

ایک مومن

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال نکلے گا تو مومنین میں سے ایک شخص اس کی طرف جائے گا۔ اس کی ملاقات پہلے دجال کے پہریداروں سے ہوگی۔ وہ اس سے کہیں گے۔ تمہارا کہاں کا قصد ہے۔ وہ کہے گا میں اس شخص کی طرف جارہا ہوں جو نکلا ہے۔ وہ لوگ اس سے کہیں گے، کیا تم ہمارے رب پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ کہے گا۔ ہمارا رب کوئی چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ لوگ کہیں گے اس کو مار ڈالو۔ پھر ان میں کا ایک دوسرے کو کہے گا، کیا تمہارے رب نے تم کو منع نہیں کیا ہے کہ تم اس کی اجازت کے بغیر کسی کو قتل نہ کرو۔ اس کے بعد وہ لوگ اس کے ساتھ دجال تک جائیں گے۔ مومن جب اس کو دیکھے گا تو کہے گا، اے لوگو، یہی وہ دجال ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ دجال حکم دے گا تو اس مومن کو پیٹ کے بل لٹا دیا جائے گا۔ پھر دجال کہے گا کہ اس کو پکڑو اور اس کو لہولہان کر دو۔ پس اس کی پیٹھ اور پیٹ پر خوب مارا جائے گا، پھر دجال کہے گا۔ کیا تم مجھ پر ایمان نہیں رکھتے۔ مومن کہے گا۔ تو ہی جھوٹا مسیح ہے۔ پھر دجال حکم دے گا تو آرا لایا جائے گا اور اس کا پاؤں چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ پھر دجال دونوں ٹکڑوں کے درمیان چلے گا اور اس سے کہے گا، اٹھ تو وہ سیدھا اٹھ کر کھڑا ہو جائے گا۔ پھر دجال اس سے کہے گا۔ کیا تم مجھ پر ایمان لاتے ہو۔ مومن کہے گا، تمہارے بارے میں میرا یقین اب اور زیادہ بڑھ گیا ہے، پھر مومن کہے گا۔ اے لوگو، میرے بعد وہ کسی کے ساتھ ایسا نہ کر سکے گا۔ پھر دجال اس کو پکڑے گا تاکہ اس کو ذبح کردے۔ مگر اللہ اس کی گردن اور اس کی ہنسلی کی ہڈی کے درمیان کے حصہ کو تانبہ کا بنا دے گا تو اس پر اس کا بس نہ چل سکے گا۔ پھر دجال اس کے دونوں ہاتھوں، دونوں پیروں کو پکڑے گا اور اس کو پھینک دے گا۔ لوگ سمجھیں گے کہ دجال نے اس کو آگ میں پھینک دیا۔ حالانکہ درحقیقت وہ جنت میں پھینکا گیا ہوگا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رب العالمین کے نزدیک لوگوں کے لئے سب سے بڑی گواہی ہوگی۔ (مسلم، بخاری)

حدیث میں اس طرح کے جو واقعات ہیں، ضروری نہیں کہ وہ اسی طرح واقعاتی صورت میں پیش آئیں جس طرح وہ حدیث کے الفاظ میں نظر آتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ وہ پیش آنے والے واقعہ کی تمثیل ہو۔ اصل واقعہ تمثیل کے روپ میں پیش آنے والا ہو، اور اس کو حدیث رسول میں واقعاتی روپ میں بیان کر دیا گیا ہو۔

منافق کے ساتھ برتاؤ

امام شافعی نے اپنی کتاب الام میں ایک روایت ان الفاظ میں نقل کیا ہے :

اخبرنا مالک عن ابن شہاب عن عطاء بن یزید اللیثی عن عبید اللہ بن عدی بن الخیار ان رجلاً سارّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم ندر ما سارّہ حتی جہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا ھو یشاورہ فی قتل رجل من المنافقین۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیس یشہد ان لا الہ الا اللہ۔ قال بلی ولا شہادۃ لہ فقال الیس یصلی قال بلی ولا صلاۃ لہ۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولئک الذین نہانی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکے چپکے بات کی۔ ہم نے نہیں جانا کہ وہ چپکے چپکے کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باآواز بلند بولے تو ہم نے جانا کہ وہ منافقین میں سے ایک شخص کو قتل کرنے کا مشورہ کر رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں کہا، کیا وہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت نہیں دیتا ہے۔ آدمی نے کہا ہاں، مگر اس کی شہادت شہادت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کیا وہ نماز نہیں پڑھتا ہے۔ آدمی نے کہا ہاں، مگر اس کی نماز نماز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف سے اللہ نے مجھ کو منع کر دیا ہے۔

بخاری و مسلم نے عبادۃ بن الصامت سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بلایا پھر بیعت لی۔ آپ نے ہم سے سمع و طاعت پر بیعت لی خواہ پسند ہو یا ناپسند، مشکل ہو یا آسان۔ اور یہ کہ ہم اپنے اوپر ترجیح دئے جانے کو گوارا کریں اور اہلیت والے سے معاملہ میں نزاع نہ کریں الا یہ کہ تم کھلا ہوا کفر دیکھو جس کے لئے تمہارے پاس خدا کی طرف سے دلیل ہو (بایعنا علی السمع والطاعۃ فی منشطنا ومکرھنا وعسرنا ویسرنا واثرۃ علینا وان لا ننازع الامر اھلہ الا ان تروا کفراً بواحاً عندکم من اللہ فیہ برھان)

روایات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیا تھا کہ فلاں فلاں اشخاص اگرچہ ظاہری طور پر مسلمان بنے ہوتے ہیں مگر حقیقۃً وہ منافق ہیں۔ اس کے باوجود

آپ نے ان سے مسلمانوں جیسا معاملہ فرمایا اور ان کے ظاہر احوال پر انھیں باقی رکھا۔

مسلم، احمد، ابن ماجہ اور ابو داؤد نے اسامہ بن زید سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک سریہ میں بھیجا۔ ہم صبح کو جہینہ کے علاقہ میں پہنچے۔ وہاں میں نے ایک آدمی کو پکڑا۔ اس نے فوراً لاالٰہ پڑھا۔ پھر بھی میں نے اس کو نیزہ مار دیا۔ اس کے بعد میرے دل میں شبہ پیدا ہوا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا اس نے لاالٰہ الا اللہ کہا پھر بھی تم نے اس کو قتل کر دیا (قال لا الٰہ الا اللہ وقتلتہ) میں نے کہا اے رسول اللہ اس نے ہتھیار کے ڈر سے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا: پھر کیوں نہ تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تاکہ تم کو معلوم ہو کہ اس نے واقعتہً کہا ہے یا نہیں کہا ہے (افلا شققت علی قلبہ حتی تعلم اقالہا ام لا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جملہ کو برابر دہراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں آج مسلمان ہوا ہوتا۔

حضرت عمر بن الخطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مجھے عبد اللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کے قتل کی اجازت دیجئے۔ مگر آپ نے ان کو اجازت نہیں دی۔ اسی طرح ابن ابی کے لڑکے عبد اللہ نے ابن ابی کو قتل کرنے کی اجازت مانگی جب کہ غزوہ مریسیع میں اس کا نفاق ظاہر ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ نے انکار فرمایا اور کہا: بلکہ ہم اس سے نرمی کا معاملہ کریں گے اور اس سے اچھا تعلق رکھیں گے (بل نترفق بہ ونحسن صحبتہ)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو منافق قرار دیکر اس کو قتل کرنا سراسر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ مخلص اور منافق کا تعلق اللہ سے ہے۔ وہی دونوں کو الگ کر کے ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم لوگوں سے ظاہری حالات کے مطابق معاملہ کریں۔

مدینہ کے منافقین یہود سے ملے ہوئے تھے وہ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ وہ بظاہر مسلمان مگر اندر سے نامسلمان تھے۔ اس کے باوجود ان کو قتل نہیں کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں اقتدار حاصل تھا مگر آپ ان کی حقیقت جانتے ہوئے ان کو برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ منافقین اپنی طبعی موت مر کر اللہ کے یہاں حساب دینے کے لئے پہنچ گئے۔

ایک موت

۲۳ فروری ۱۹۸۳ کی صبح الرسالہ کے لئے بڑی دردناک خبر لے کر آئی۔ اس دن الرسالہ کے کاتب حافظ امجد علی شاہجہانپوری کا انتقال ہوگیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ستر سال تھی۔ حافظ امجد علی صاحب نے الرسالہ کی کتابت کا کام اتنی دلچسپی اور لگن کے ساتھ کیا کہ "الرسالہ" اور "امجد علی صاحب" دونوں ایک دوسرے کے ہم معنی بن گئے۔ وہ دہلی کے اعلیٰ درجہ کے کاتب تھے۔ الرسالہ کے صفحات نے ان کی خوش نویسی کے جو نمونے محفوظ کئے ہیں وہ ابھی نامعلوم مدت تک باقی رہیں گے۔ مگر لکھنے والے کا فن لکھنے والے کے ساتھ ہمیشہ کے لئے چلا گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ الرسالہ کی ہر اشاعت سب سے پہلے امجد علی صاحب کی نظر سے گزرتی تھی تو یہ بات بالکل صحیح ہوگی۔ کیونکہ وہ الرسالہ کو صرف "لکھتے" نہیں تھے بلکہ وہ اس کو "پڑھتے" بھی تھے۔ الرسالہ کے مضامین جب انھیں کتابت کے لئے دیئے جاتے تو پہلے وہ ان کا مطالعہ کرتے۔ اس کے بعد ان کو لکھنا شروع کرتے۔ وہ الرسالہ کے صرف کاتب نہیں تھے۔ بلکہ وہ اس کے سب سے پہلے قاری بھی تھے۔

موت کی خبر ملنے کے بعد ۲۳ فروری کی دوپہر کو جب میں ان کے گھر پہنچا تو ان کا مردہ جسم ایک چارپائی پر لٹایا ہوا تھا۔ میں دیر تک تاثرات کے طوفان میں انھیں دیکھتا رہا۔ وہی معصوم چہرہ تھا مگر اب وہ خاموش ہو چکا تھا۔ بظاہر وہی آنکھیں تھیں مگر اب وہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی تھیں۔ ہاتھ وہی تھا مگر اب وہ قلم پکڑنے کی طاقت سے محروم تھا۔

۲۳ فروری کو نماز ظہر کے بعد جنازہ اٹھا۔ لوگ حافظ امجد علی کا جسم کاندھوں پر اٹھائے قبرستان کی طرف جا رہے تھے۔ اور میرے ذہن میں ایک پوری تصویر جاگ رہی تھی۔ جس میں انسان اپنے آغاز سے انجام کی طرف جاتا ہوا نظر آرہا تھا۔ انسان کی کہانی کیسے عجیب طور پر اس دنیا میں شروع ہوتی ہے۔ اور کیسے عجیب طور پر ختم ہو جاتی ہے۔

۲۳ فروری سے پہلے امجد علی صاحب سے میرا ہر روز کا ساتھ تھا۔ ۲۳ فروری کو وہ اچانک دوسری دنیا میں چلے گئے۔ جب مجھے اس کا خیال آتا ہے تو میں یہ سوچنے لگتا ہوں کہ ہماری آج کی دنیا اور ہماری کل کی دنیا میں کتنا کم فاصلہ ہے۔

دائرۂ عمل کا فرق

امریکہ کی ایک ایکٹرس جین سیبرگ (Jean Seberg) نے اپنی پرکشش شخصیت کی وجہ سے غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ امریکہ کے علاوہ یورپ میں بھی وہ ایک عرصہ تک لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ اس نے قدیم انداز میں ایک "گھر" بسانے کے بجائے لاکھوں گھروں کے لئے سامان تفریح بننے کو ترجیح دیا۔ مگر اس کی موت کے بعد جب اس کی ڈائری پڑھی گئی تو اپنی ڈائری کی آخری سطروں میں اس نے لکھا تھا۔

I wish I had stayed home

کاش میں اپنے گھر میں رہی ہوتی (ٹائمس آف انڈیا ۸ نومبر ۱۹۸۱)
کیسا عجیب تھا یہ کامیاب سفر جو بالآخر ناکامی پر ختم ہوا۔

خدا نے جس طرح اس دنیا کی مادی چیزوں کو خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور اسی فطرت پر قائم رہ کر کوئی چیز اپنا صحیح وظیفہ انجام دے پاتی ہے یہی حال انسان کا بھی ہے۔ خدا نے مرد کو خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور اسی طرح عورت کو بھی خاص فطرت پر پیدا کیا ہے۔ دونوں اسی وقت اپنی زندگی صحیح طور پر گزار سکتے ہیں جبکہ وہ خدا کی فطرت پر قائم رہیں۔ فطرت سے ہٹتے ہی وہ زندگی کے نقشہ میں اپنا مقام کھودیں گے۔

عورت کی صلاحیتیں واضح طور پر مرد سے مختلف ہیں یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کا دائرہ کار اور مرد کا دائرہ کار عمومی اعتبار سے یکساں نہیں۔ مرد کا دائرہ کار اگر "باہر" ہے تو عورت کا دائرہ کار "اندر"۔ مرد اپنے دائرہ کار میں زیادہ مفید بن سکتا ہے اور عورت اپنے دائرہ کار میں۔ اگر دونوں اپنے دائرہ کار کو بدلیں تو دونوں اپنی معنویت کو کھودیں گے۔ دونوں اپنے کو بے جگہ بنالیں گے۔

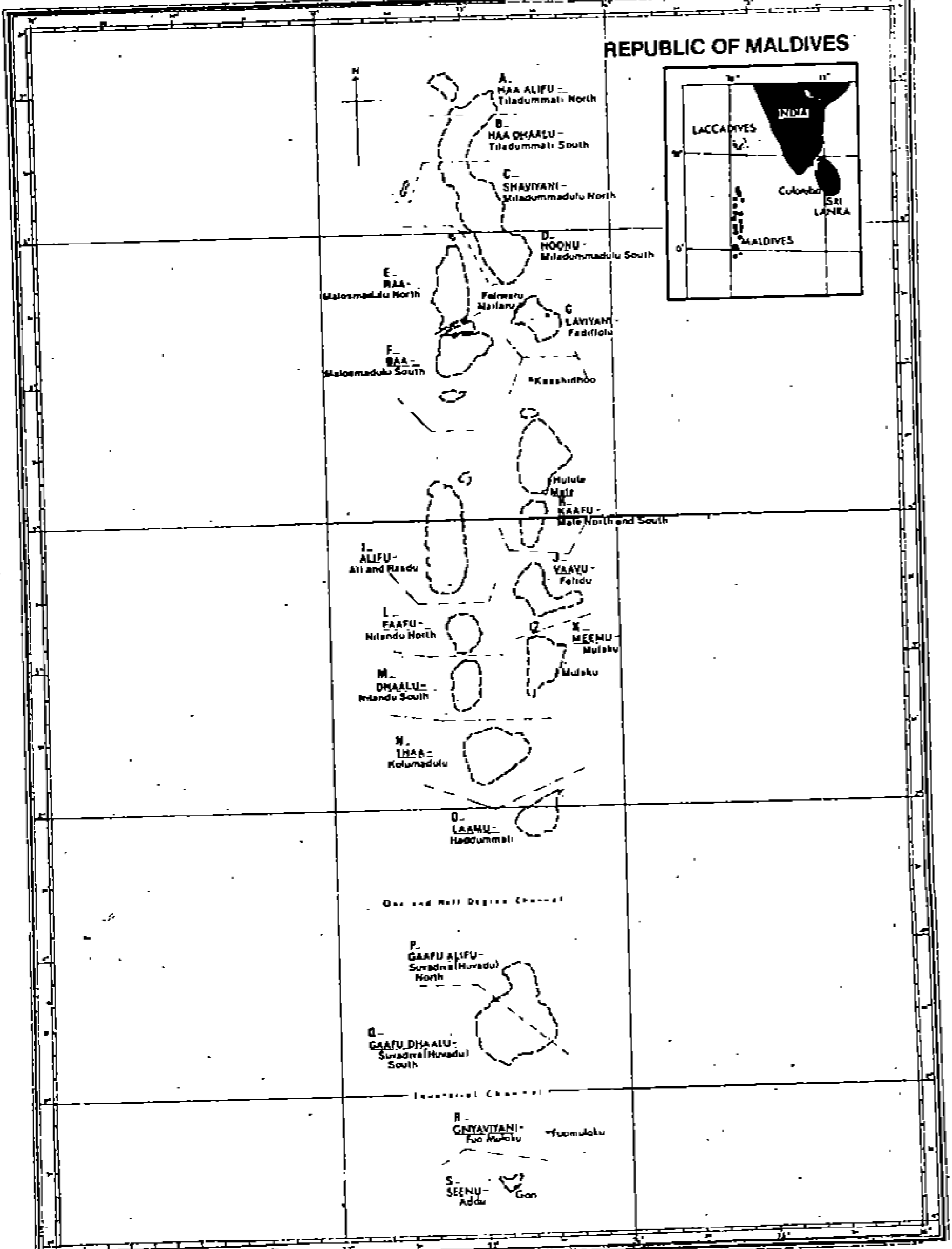

مالدیپ بحر ہند کے وسط میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ لمبائی میں تقریباً ۶۵۰ کیلومیٹر ہے اور چوڑائی میں تقریباً ۱۳۰ کیلومیٹر۔ اس مجمع الجزائر میں دو ہزار جزیرے ہیں جن میں تقریباً دو سو جزیرے آباد ہیں۔ ہندستان سے مالدیپ کا فاصلہ تقریباً چھ سو کیلومیٹر ہے

ایک سفر

۸ دسمبر ۱۹۸۲ کو ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہم وزارت خارجہ سے بول رہے ہیں"، یہ حکومت ہند کی وزارت خارجہ کے ڈپٹی سکریٹری (BSM) کا ٹیلی فون تھا۔ انہوں نے بتایا کہ مالدیپ کی وزارت تعلیم کے تحت مالے (Male) میں ایک سیمنار ہورہا ہے جس میں انہوں نے مجھے شرکت کی دعوت دی ہے۔ سیمنار کا عنوان ہے: اسلامی دعوت جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا میں۔

The Call for Islam in South and Southeast Asia

انہوں نے کہا کہ اگر آپ شرکت کی منظوری دے دیں تو ہم حکومت مالدیپ کو ٹیلکس کے ذریعہ پیغام بھیج دیں تاکہ وہ آپ کے سفر کے انتظامات کرسکیں۔ میں نے شرکت منظور کرلی۔ تاہم جلد ہی بعد مجھے لیبیا کا سفر پیش آگیا اور سیٹ کا رزرویشن وقت پر نہ ہوسکا۔

میں لیبیا کے سفر سے واپس آیا تو مالدیپ کے سیمنار کی تاریخ میں صرف تین دن باقی تھے۔ ۹ جنوری کو روانہ ہوجانا میرے لئے بالکل ضروری تھا۔ معلوم ہوا کہ مالدیپ میں یہ سیاحوں کی آمد کا موسم ہے، اس لئے مدراس سے مالے (دارالسلطنت مالدیپ) جانے والے جہاز کی تمام سیٹیں بک ہوچکی ہیں۔ میرا نام ویٹنگ لسٹ میں نمبر ۴۶ پر ہے۔ بظاہر ایسا محسوس ہوا کہ اب مالدیپ کا سفر ممکن نہ ہوسکے گا۔

میں نے اپنے آدمی کو وزارت خارجہ (نئی دہلی) کے دفتر میں بھیجا۔ ۸ جنوری کی شام کو ہمارا آدمی وزارت خارجہ کے دفتر میں اس وقت پہنچا جب کہ وہاں دفتر کے کام کا وقت ختم ہوچکا تھا۔ اور ڈپٹی سکریٹری اپنی کرسی سے اٹھ چکے تھے۔ انہوں نے کھڑے کھڑے کیس کو سنا اور اس کے بعد دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ اپنے اسٹینو کو بلایا اور اسی وقت ایک خط تیار کرکے ہمارے آدمی کے حوالے کیا۔ اور کہا کہ اس کو لے کر انڈین ایرلائنز کے منیجر سے ملیں۔ چنانچہ وہ خط انڈین ایرلائنز کے منیجر کو دکھایا گیا۔ اس نے فوری طور پر مدراس کے دفتر کو ٹیلکس کیا اور کہا کہ "مسٹر خان" کو اعلیٰ ترین ترجیح کی بنیاد پر مالے جانے والے جہاز میں جگہ دی جائے۔

اس کے بعد ہمارا آدمی واپس آگیا۔ چند گھنٹے کے بعد فون کی گھنٹی بجی۔ یہ انڈین ایرلائنز (نئی دہلی) کا ٹیلی فون تھا۔ انہوں نے بتایا کہ آپ کی سیٹ مدراس سے کنفرم ہوگئی ہے۔ اس میں میں صرف

اتنا اضافہ کروں گا کہ یہ سب جس نے کرایا اس کا نام مسٹر آر۔ ایم اگروال تھا! اس خط کا عکس یہاں درج کیا جارہا ہے۔

ہماری پرواز ۹ جنوری کو صبح ساڑھے چھ بجے تھی۔ میں ہوائی اڈہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ خراب موسم کی وجہ سے تمام پروازیں تین گھنٹہ کے لئے موخر کردی گئی ہیں۔ یہ نیا مسئلہ تھا۔ کیونکہ دہلی سے تین گھنٹہ دیر سے روانگی کا یہ مطلب تھا کہ مدراس سے دوسرا جہاز نہ ملے۔

اسی حیص بیص میں میں پالم پر اپنے جہاز پر سوار ہوگیا۔ مجھ سے ملی ہوئی سیٹ پر مسٹر سبرامنیم تھے جو دہلی الکٹرک سپلائی انڈرٹیکنگ (DESU) میں انجینئر ہیں۔ ان کو جب میرا قصہ معلوم ہوا تو فوراً انہوں نے دوڑ دھوپ شروع کردی۔ وہ کئی بار جہاز کے پائلٹ سے ملے اور اس سے کہا کہ مدراس کے اسٹیشن کو پیغام بھیج کر جہاز کی پوزیشن معلوم کریں۔ پائلٹ نے بھی پوری ہمدردی ظاہر کی اور دوران پرواز اگلے اسٹیشن سے وائرلس کے ذریعہ ربط قائم کیا۔ مگر ادھر سے یہ پیغام ملا کہ "ہوائی جہاز مدراس سے روانہ ہوچکا ہے۔"

میں مدراس پہنچا تو حسب قاعدہ ہوائی کمپنی نے ہوٹل (اڈیار گیٹ ہوٹل) میں میرے قیام و طعام کا انتظام کیا۔ مگر اگلے جہاز سے سیٹ کے رزرویشن کا مسئلہ ابھی باقی تھا۔ مسٹر سبرامنیم نے دوبارہ میرا ساتھ دیا۔ وہ ہوٹل سے مجھ کو لے کر انڈین ائرلائنز کے دفتر میں گئے۔ اور وہاں ڈیوٹی آفیسر کو پوری صورت بتائی۔ ڈیوٹی آفیسر مسٹر سوامی ناتھن تھے۔ انہوں نے نہایت دلچسپی کا اظہار کیا۔ میری روٹ کو کولمبو سے بدل کر تریوندرم کے راستہ سے کیا۔ تریوندرم کے راستہ سے جانے والے جہاز کی بھی تمام سیٹیں بھر چکی تھیں۔ مگر انہوں نے ذمہ داروں سے اصرار کرکے مجھے اس میں سیٹ دلوائی۔ اسی کے ساتھ انہوں نے مالدیپ کی وزارت تعلیم کو ٹیلکس کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ میں خراب موسم کی وجہ سے مدراس میں رک گیا ہوں اور ۱۰ جنوری کو فلائٹ نمبر ۵۶۳ سے مالے پہنچوں گا۔

مدراس میں مجھے جس ہوٹل میں ٹھہرایا گیا وہاں دوسری چیزوں کے علاوہ بائبل (اڈیشن ۱۹۸۰) کا ایک خوبصورت نسخہ بھی موجود تھا، اس نسخہ پر لکھا ہوا تھا؛

This Bible is placed by the Gideon

یہ بائبل یہاں جیڈین کی طرف سے رکھی گئی ہے۔

۱۸۹۸ میں دو مسیحی مسافر وسکن سن (امریکہ) کے ایک ہوٹل میں ملے۔ دونوں ایک دوسرے

विदेश मंत्रालय, नई दिल्ली-११
MINISTRY OF EXTERNAL AFFAIRS
NEW DELHI-11

सत्यमेव जयते

No.I(i)/162/21/82

Dated 7th January, 1983

The Commercial Manager,
Indian Airlines,
New Delhi.

Sir,

Sh. Wahiduddin Khan, President of the Islamic Call and Research Centre has been invited by the Maldivian Government to participate in a seminar on the Islamic Call in South and South East Asia to be convened in Male from 10th to 12th January, 1983.

Shri Khan will be travelling on the Delhi-Madras, Madras-Colombo, Colombo-Male sector starting from Delhi on 9th January, 1983. His ticket on the Madras-Colombo sector has not been confirmed so far.

In view of the importance of the meeting which Shri Khan has to attend, we would strongly recommend that he be allotted a seat on the Madras-Colombo sector for the date mentioned above, on a top priority basis.

Yours faithfully,

Ram Aggarwal

(R.M. AGGARWAL)
UNDER SECRETARY TO THE GOVT.OF INDIA

کے لئے اجنبی تھے۔ تاہم یہ ملاقات ان کی مستقل یکجائی کا سبب بن گئی۔ انہوں نے بعض اور مسیحیوں کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ وہ ایک تنظیم قائم کریں جس کا مقصد ہوٹلوں میں بائبل کی فراہمی ہو۔ یہ نام بائبل (Book of Judges 6-7) سے لیا گیا ہے۔ آج یہ تنظیم دنیا بھر میں ۱۰۱ سے زیادہ ملکوں میں قائم ہو چکی ہے۔ موجودہ بائبل کے آغاز میں جیڈین کا تعارف کرتے ہوئے یہ دلچسپ جملہ درج ہے:

The Lord has opened doors for the placement of His word among many strategic groups of the population and in places through which large and important streams of national life pass from day to day

خدا نے یہ دروازے کھول دئے ہیں کہ اس کا کلام آبادی کے بہت سے اہم حصوں کے درمیان رکھا جا سکے۔ اور اس کا کلام ایسے مقامات پر رکھا جائے جس کے راستے سے قومی زندگی کے بہاؤ کا بڑا اور اہم حصہ روزانہ گذرتا ہے۔

اس سے اندازہ کیجئے کہ موجودہ زمانہ میں تبلیغ کے کون سے نئے نئے راستے کھل گئے ہیں۔ اور فائدہ اٹھانے والے ان سے کس طرح فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ شروع کے ایک صفحہ پر ایک مضمون ہے۔ جس کا عنوان ہے ضرورت کے وقت مدد لو، (Help in time of need) اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ آپ اپنے مشکل لمحات میں کس طرح بائبل سے اپنے لئے سہارا لے سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند عنوانات یہ ہیں:

Comfort in time of loneliness - Comfort in time of sorrow
Relief in time of suffering - Guidance in time of decision
Protection in time of danger - Courage in time of fear
Peace in time of turmoil - Rest in time of weariness

اس میں بتایا گیا ہے کہ بائبل کا ترجمہ اب تک دنیا کی ۱۱۰۰ سے زیادہ زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اس کے آغاز میں بتایا گیا ہے کہ بائبل کی اہم ترین تعلیم وہ ہے جو (John, 3:16) میں ان الفاظ میں ہے: کیونکہ خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو، بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔

مدراس کے ہوٹل میں میں نے اپنے کمرہ سے کسی بات کے لئے استقبالیہ میں ٹیلی فون کیا۔ میں نے ہندستانی میں کہا تو دوسری طرف سے آواز آئی "میں نہیں سمجھا"۔ میں نے دوبارہ انگریزی میں کہا تو وہ فوراً سمجھ گیا۔ ہندستان میں اگر آپ اعلیٰ معیار کے ہوٹل میں ٹھہریں یا ہوائی جہاز میں

سفر کریں تو آپ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ آپ انگریزی میں بولیں گے ۔ اس ملک میں انگریزی زبان اب بھی اونچی حیثیت کی نشانی بنی ہوئی ہے ۔ اس صورت حال کی وجہ سے اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم اپنے ملک میں نہیں بلکہ غیر ملک میں ہیں ۔ اگرچہ اکثر انگریزی بولنے والے غلط انگریزی بولتے ہیں ۔ مگر اپنی پوزیشن کو نمایاں کرنے کے لئے وہ ایسا کرتے ہیں کہ ملکی زبان جانتے ہوتے انگریزی زبان میں بولنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ یہ صورت حال صرف اس وقت ختم ہو سکتی ہے جب کہ ملکی زبان علمی اور ادبی اعتبار سے انگریزی زبان جیسا مقام حاصل کرلے ۔ محض قومی اپیلوں سے شاید اس کا ختم ہونا ممکن نہیں ۔

۱۰ جنوری کی دوپہر کو ہمارا ہوائی جہاز مالدیپ کے اوپر اڑ رہا تھا ۔ دو ہزار چھوٹے چھوٹے جزیروں کا یہ ملک ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک ٹوٹی ہوئی مالا ہے جس کے ہرے ہرے دانے ٹوٹ کر سمندر میں بکھر گئے ہوں ۔ ہوائی اڈہ خود بھی ایک چھوٹے جزیرہ پر ہے ۔ یہاں صرف ہوائی اڈہ ہے ۔ یہاں سے اسٹیمر پر ہم مالے نامی جزیرہ پر گئے ۔ جو مالدیپ کا دار السلطنت ہے ۔ مالے ایک میل لمبا ڈیڑھ میل چوڑا جزیرہ ہے ۔ دو ہزار میں سے دو سو جزیرے آباد ہیں ۔ کل آبادی تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار ہے ۔ یہاں کی آبادی میں صد فی صد مسلمان ہیں ۔ یہاں کوئی بھی غیر مسلم شہری نہیں ۔ مالے میں میرا قیام سوسن گی (کمرہ نمبر ۱۰) میں تھا ۔

سیمنار کی کارروائی ۱۰ ۔ ۱۱ ۔ ۱۲ جنوری ۱۹۸۳ کو ہوئی ۔ جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا میں اسلام اور مسلمانوں کے مسائل سے متعلق چار مقالے پیش ہوتے ۔ یہ مقالے مالدیپ کی وزارت تعلیم کی سکریٹریٹ نے تیار کئے تھے ۔ ہر مقالہ پہلے پڑھا جاتا اور اس کے بعد شرکا اس پر اظہار خیال کرتے تھے ۔

یہ اظہار عربی یا انگریزی زبان میں کیا گیا ۔ میں نے ان مقالوں پر جو اظہار خیال کیا وہ انگریزی زبان میں تھا جو سیمنار کی فائنل رپورٹ میں شائع ہو چکا ہے ۔

۱۱ جنوری کی شام کا کھانا دوسرے جزیرہ پر رکھا گیا ۔ وہاں ہم لوگ اسٹیمر پر گئے ۔ یہ جزیرہ صرف سیاحوں کے لئے ہے ۔ یہاں سیاحوں کے نقطۂ نظر سے عمارتیں اور ہوٹل تعمیر کئے گئے ہیں ۔ رات کے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم سمندر کے بیچ ایک سبزہ زار تختہ پر بیٹھے ہوتے ہیں ۔
سیمنار میں چار مقالے پڑھے گئے اور اس کے بعد شرکا نے ان پر اظہار خیال کیا ۔

مقالوں کے عنوانات حسب ذیل تھے:

۱- جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا میں اسلام کی اشاعت۔
۲- جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا میں مخالف اسلام سرگرمیاں۔
۳- جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا میں مسلم اقلیتوں کا مسئلہ۔
۴- جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا میں آئندہ اشاعت اسلام کی کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔

سیمنار میں مذکورہ علاقہ میں واقع تمام ملکوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ جن ممالک کے نمائندے شریک ہوئے ان کے نام یہ ہیں:

مالدیپ، ہندستان، سری لنکا، بنگلہ دیش، پاکستان، ملیشیا، تھائی لینڈ، انڈونیشیا، فلپائن، برما، سنگاپور، ماریشس۔

مالدیپ مجمع الجزائر ہے۔ اور بحر ہند کے وسط میں واقع ہے۔ تقریباً ساڑھے سات سو کیلو میٹر لمبائی اور تقریباً سوا سو کیلو میٹر کی چوڑائی میں دو ہزار جزیرے پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ جزیرے اتنے چھوٹے ہیں کہ انکا مجموعی زمینی رقبہ صرف تین سو مربع کیلو میٹر ہوتا ہے۔ ان جزائر میں تقریباً دو سو جزیرے آباد ہیں۔ مالدیپ کی آبادی صرف ڈیڑھ لاکھ ہے۔ تمام کے تمام باشندے مسلمان ہیں۔ یہاں کے قانون کے مطابق کسی غیر مسلم کو مالدیپ کی شہریت نہیں دی جا سکتی۔

پہلے مالدیپ کے باشندے بدھسٹ تھے۔ بارہویں صدی عیسوی میں یہاں کے باشندے ایک ساتھ مسلمان ہوگئے۔ انہوں نے عرب تاجروں کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۱۵۳ء میں مراکش سے ایک عرب تاجر یہاں پہنچا جس کا نام ابو البرکات یوسف علی بربری تھا۔ اس نے تبلیغ کی۔ اس کی تبلیغ سے مالدیپ کے تمام باشندے مسلمان ہوگئے۔

مالدیپ کی قدیم تاریخ معلوم نہیں۔ یہاں کی ابتدائی تاریخ کا ذریعہ وہ عرب مورخین یا سیاح ہیں جو مالدیپ آئے۔ المسعودی ۹۴۷ میں مالدیپ پہنچا۔ البیرونی نے ۱۰۳۰ میں مالدیپ کی سیاحت کی۔ الادریسی بارہویں صدی کے آغاز میں مالدیپ آیا۔ ابن بطوطہ کی مالدیپ میں آمد ۱۳۴۴ء میں ہوئی۔ فرانسیسی ملاح فرانکوئی لیول (Francois Pyrard de Lavel) ۱۶۰۱ میں مالدیپ پہنچا۔ ان لوگوں نے اپنی سیاحتی ڈائری میں مالدیپ کے کچھ احوال لکھے ہیں۔ حسن تاج الدین پہلے مالدیپی ہیں جنہوں نے ۱۷۲۶ء میں مالدیپ کے حالات قلم بند کئے۔

مالدیپ میں ۱۱۴۱ء سے لے کر ۱۵۵۸ء تک سلاطین کی حکومت تھی۔ اس کے بعد پرتگالیوں

نے مالدیپ پر حملہ کیا۔ ۱۵۵۸ء میں مالدیپ پر پرتگالیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد محمد خطیب کی رہنمائی میں آزادی کی جدوجہد شروع ہوئی۔ جلد ہی پرتگالیوں کو واپس جانا پڑا۔ اور پندرہ سال بعد ۱۵۸۵ میں سلطان کا راج دوبارہ قائم ہوگیا۔

۱۸۸۷ء میں مالدیپ برطانی راج کے ماتحت آگیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد پرامن طور پر مالدیپ کی آزادی کی کوشش شروع ہوئی۔ حکومت برطانیہ اور حکومت مالدیپ کے درمیان تقریباً دس سال کی گفتگو کے بعد جولائی ۱۹۶۵ میں ایک معاہدہ پر دونوں حکومتوں نے دستخط کئے۔ اس کے مطابق مالدیپ کو مکمل آزادی حاصل ہوگئی۔ اسی سال سے مالدیپ اقوام متحدہ کا ممبر ہے۔

مالدیپ میں صرف ہائر سکنڈری تک کی تعلیم کا انتظام ہے۔ یہاں ابھی تک کوئی کالج نہیں۔ تعلیم میں پیچھے ہونے کی وجہ سے اسکولوں کے ماسٹر اکثر بیرونی لوگ ہیں۔ یہاں کی تجارت زیادہ تر مچھلی اور سیاحت ہے۔ تاہم کوریا اور جاپان کی کشتیاں یہاں کے سمندروں میں آتی رہتی ہیں۔ اور مچھلیاں پکڑ کر لے جاتی ہیں۔ اس کی وجہ سے مچھلی کی آمدنی پوری طرح مالدیپ کے حصہ میں نہیں آتی۔ سیاح کافی آتے ہیں وہ بلاشبہ اپنے ساتھ دولت لاتے ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ وہ بہت سے مسائل بھی لا رہے ہیں۔ جن کا فی الحال کوئی حل مالدیپ کے پاس نہیں۔

۱۳ جنوری کا دن یہاں کے خاص خاص مقامات کے لئے مقرر تھا۔ صبح کو ہم لوگ جزیرہ مالے سے بلنیڈوز (Bandos Resort) کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ سفر برطانیہ کی بنی ہوئی ایک کشتی پر ہوا۔ جس پر لکھا ہوا تھا۔ Presented by Britain

دو گھنٹہ کا یہ سفر بڑا عجیب وغریب تھا۔ راستہ میں ہم دو اور جزیروں پر اترتے ہوئے اپنی منزل پر پہنچے۔ اس سفر کے دوران بار بار مختلف جزیرے سامنے آتے رہے۔ دو ہزار کی تعداد میں پھیلے ہوئے جزیرے ناریل کے درختوں سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قدرت نے سمندر میں جگہ جگہ ہرے بھرے گلدستے پھیلا رکھے ہوں۔

یہ سفر بڑا عجیب تھا۔ ہمارے چاروں طرف بحر ہند کا پانی موجیں مار رہا تھا۔ اس میں ہمارا اسٹیمر موجوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ چاروں طرف نیلا آسمان، اس کے اوپر بادل، سمندر میں جگہ جگہ ناریل کے درختوں سے ڈھکے ہوئے جزیرے، ایسا محسوس ہوا جیسے ہم حسن اور معنویت کی ایک ابدی کائنات میں رواں دواں ہیں۔ میری زبان سے بے اختیار نکلا:

"کیسی عجیب بات ہوگی کہ یہاں ایسی حیرت ناک دنیا ہو اور اس کا کوئی خدا نہ ہو۔"

حقیقت یہ ہے کہ خدا کو ماننا ایک موجود واقعہ کو ماننا ہے نہ کہ کسی غیر موجود چیز کو ماننا۔ خدا تو اپنی صفات کے ساتھ موجود ہی ہے۔ اب بات صرف اتنی ہے کہ اس کو اس کی ذات کے ساتھ بھی مان لیا جائے۔

بینڈوز کا جزیرہ خاص طور پر سیاحوں کے لئے بنایا گیا ہے۔ وہاں کوئی دوسری آبادی نہیں ہے۔ چھوٹے سے جزیرے کے چاروں طرف سمندر لہریں مار رہا ہے۔ اس خوبصورت ماحول میں ہم نے چند گھنٹے گذارے۔ وہیں کھانا کھایا۔ اور اس کے بعد شام کو ملے واپس آگئے۔

مالے پہنچے تو معلوم ہوا کہ ٹریولنگ ایجنٹ نے کہہ دیا ہے کہ ۵ اجنوری کے جہاز میں تمام سیٹیں بک ہو چکی ہیں۔ اس لئے اس دن سیٹ نہیں مل سکتی۔ یہ میرے لئے بہت تشویش ناک خبر تھی۔ کیونکہ دہلی جلد پہنچنے ہی کے لئے میں نے لنکا کا سفر ملتوی کر دیا تھا۔ یہاں کے سیمنار میں جناب محمد حنیف (ٹرانسپورٹ منسٹر، سری لنکا) بھی آئے تھے۔ انہوں نے دعوت دی کہ سری لنکا میں کچھ وقت قیام کریں۔ اس کے بعد وہاں سے دہلی کے لئے روانہ ہوں۔ مگر میں نے وقت کی کمی کے سبب محمد حنیف صاحب سے معذرت کر دی تھی۔

اب میں نے جناب برج نارائن صاحب (سفیر ہند مقیم مالدیپ) کو ٹیلی فون کیا۔ اور ان کے سامنے مسئلہ رکھا۔ انہوں نے کہا کہ اچھا میں ابھی آپ کو بتاتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے انڈین ایر لائنز کے مینجر (مسٹر جوشی) سے ٹیلی فون پر بات کی اور چند منٹ کے بعد مجھے ٹیلی فون پر خبر دی کہ آپ کی سیٹ کنفرم ہو چکی ہے۔ آپ اپنے پروگرام کے مطابق سفر کریں۔ جناب برج نرائن صاحب نے مزید بتایا کہ انہوں نے ٹیلکس کے ذریعہ دہلی میں میرے آفس کو اطلاع بھیج دی ہے کہ میں ۵ اجنوری کی شام کو دہلی پہنچ رہا ہوں۔

مالدیپ میں صدارتی نظام ہے۔ ۱۲ جنوری کی شام کو یہاں کے صدر جناب مامون عبد القیوم سے ان کی رہائشی قیام گاہ میں ملاقات ہوئی۔ وہ جامعہ ازہر کے تعلیم یافتہ ہیں۔ چنانچہ بے تکلف عربی بولتے ہیں مالدیپ میں چونکہ اعلیٰ تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔ اس لئے یہاں کے نوجوان اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر جاتے ہیں۔ ان میں بہت سے جامعہ ازہر (مصر) کے تعلیم یافتہ ہیں۔ وزیروں اور افسروں میں کافی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے مصر میں تعلیم پائی ہے اور عربی اچھی جانتے ہیں۔

وزیروں اور افسروں میں کئی لوگ ایسے ملے جو میری کتاب الاسلام یتحدی پڑھے ہوئے تھے ان لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ میری مزید کتابیں بھی عربی اور انگریزی میں انہیں فراہم کی جائیں۔

یہاں ملیشیا کے ایک صاحب ملے، انہوں نے بتایا کہ الاسلام یتحدی کا ترجمہ ملائی زبان میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

مالدیپ میں اردو جاننے والے بھی ہیں۔ چنانچہ کئی ایسے لوگ ملے جنہوں نے بتایا کہ وہ الرسالہ منگاتے ہیں، اور میری اردو کتابیں پڑھے ہوئے ہیں۔

ہندستانی سفارت خانہ کے سکریٹری مسٹر نائر میرے کمرہ میں آئے اور معلوم کیا کہ کیا مجھے کوئی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے لائق جو بھی خدمت ہو ہم اس کو کرنے کے لئے تیار ہیں۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس وقت مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مالدیپ کے نوجوان پوسٹ ماسٹر (مالک عبد الرزاق صاحب) تقریباً دو سال پہلے دہلی آئے تھے اور وہاں میرے دفتر میں مجھ سے ملے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میں خود تو اردو نہیں جانتا مگر میرے دادا اچھی اردو جانتے ہیں۔ اور وہ آپ کی کتابیں بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ میں یہاں آیا تو مجھے ان سے ملنے کی خواہش تھی۔ مگر میں دونوں صاحبان کا نام بھول گیا۔ کچھ لوگوں سے ذکر کیا تو انہوں نے دریافت کر کے معلوم کیا اور مجھ سے ملاقات کا انتظام کیا۔ ان کا نام و پتہ یہ ہے۔

Mr Abdul Wahab, Dhaharage, Machangoli, Male, Maldives

عبد الوہاب صاحب مطالعہ کا بہت شوق رکھتے ہیں۔ اور خاص طور پر دینی کتابیں بہت پڑھتے رہتے ہیں۔ ان کو اولاً میری کتاب (علم جدید کا چیلنج) ملی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے بقیہ کتابیں حاصل کیں۔

مالدیپ میں چوری، قتل، رشوت، آپس کے لڑائی جھگڑے وغیرہ بالکل نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ مالے کے سوا کسی اور جزیرہ پر کوئی پولس پوسٹ بھی نہیں۔ یہاں کے باشندے عام طور پر بالکل پر امن طریقہ پر رہتے ہیں۔ البتہ سیاحوں کی آمد سے کچھ مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً لڑکیوں کی آزادی، مہنگائی، معیار زندگی میں تبدیلی، تنخواہوں میں اضافہ وغیرہ۔

مالدیپ کا دار السلطنت جس جزیرہ پر قائم ہے اس کا نام مالے ہے۔ یہ صرف دو کیلو میٹر مربع رقبہ میں ہے۔ وسیع سمندر کے درمیان اس قسم کے چھوٹے چھوٹے جزیروں کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر یہاں جوار بھاٹا آئے تو ان جزیروں پر انسانی آبادی کا کوئی وجود نہ رہے۔ مگر قدرت کا یہ عجیب قانون ہے کہ اس قسم کے چھوٹے جزیروں پر جوار بھاٹا نہیں آتا۔ اگر آپ جزیرہ سے ایک

کشتی یا اسٹیمر پر سوار ہو کر نکلیں تو جزیرے کے کنارے موجیں ہلکی ہوں گی۔ مگر آپ جب دور سمندر کے درمیان پہنچیں گے تو پانی کی لہریں کافی تیز دکھائی دیں گی۔

مالدیپ کا ہندستانی سفارت خانہ ہر مرحلہ میں بے حد معاون رہا۔ جناب سفیر صاحب اور مسٹر نائر (اتاشی) خود میرے یہاں آئے اور کہا کہ آپ کو جو ضرورت ہو اس کے لئے ہم حاضر ہیں۔

مالدیپ کے سیمینار میں مختلف ملکوں کے لوگوں نے شرکت کی۔ ہندستان سے صرف میں نے نمائندگی کی۔ سیمینار میں تین زبانیں رائج تھیں۔ انگریزی، عربی، اور مالدیپی۔ میں نے زیادہ تر انگریزی میں اپنے خیالات ظاہر کئے۔ طریقہ یہ تھا کہ منتظمین سیمینار کی طرف سے اولاً کوئی مقالہ پیش کیا جاتا اور اس کے بعد اس پر تبادلۂ خیال ہوتا۔

۱۰ جنوری کو جناب موسیٰ فتحی قاسم (چیف جسٹس، مالدیپ ہائی کورٹ) نے مقالہ پیش کیا۔ یہ مقالہ اصلاً عربی زبان میں تھا۔ اس کا عنوان تھا۔

الدعوة الاسلامية وكيف دخل الاسلام جنوب وجنوب شرقي آسيا

مقالہ کے بعد مختلف لوگوں نے موضوع سے متعلق اپنے اپنے تاثرات ظاہر کئے۔ میں نے کہا کہ زیر بحث موضوع کے بہت سے پہلو ہیں۔ تاہم میرے نزدیک ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اسلامی علاقہ میں اسلامی دعوت کی تاریخ شکست میں فتح (Victory in Defeat) کا راز بتاتی ہے۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اس علاقہ میں اسلام کے حاملین کی طرف سے کبھی کوئی فوج کشی نہیں کی گئی۔ اس کے باوجود یہ علاقہ مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ یہ کیسے ہوا۔ یہ تاجروں اور صوفیوں کی تبلیغ کے ذریعہ۔

۱۶ جنوری ۱۹۸۳ کو میں دہلی واپس آگیا۔

THE INTRODUCTION TO ISLAM SERIES

The INTRODUCTION TO ISLAM SERIES is the rendering into English of the Urdu Ta'arufi Set by Maulana Wahiduddin Khan. It provides the general public with an understanding of the basic teachings of divinely revealed religion.

The titles in this series:

1. **The Way to Find God**
2. **The Teachings of Islam**
3. **The Good Life**
4. **The Garden of Paradise**
5. **The Fire of Hell**

Maktaba Al-Risala

Jamiat Building, Qasimjan Street, Delhi 110 006

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ یک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ باسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے باسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔ بشرطیکہ پرچے خراب نہ ہوئے ہوں۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ ۱۳۵ روپے یا ماہانہ ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

Regd. R.N. No. 28822/76
Regd. D(DN) No. 532

Issue No. 78

AL-RISALA MONTHLY

Jamiat Building, Qasimjan Street, Delhi - 110 006 (India)

Telephone : 232231, 526851

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

۱	تذکیر القرآن جلد اوّل	ہدیہ ۵۰/-
۲	الاسلام	۱۵/-
۳	مذہب اور جدید چیلنج	۲۰/-
۴	ظہورِ اسلام	۲۰/-
۵	احیاءِ اسلام	۱۲/-
۶	پیغمبرِ انقلاب	۲۰/-
۷	دین کیا ہے	۲/-
۸	قرآن کا مطلوب انسان	۵/-
۹	تجدیدِ دین	۳/-
۱۰	اسلام دینِ فطرت	۳/-
۱۱	تعمیرِ ملت	۳/-
۱۲	تاریخ کا سبق	۳/-
۱۳	مذہب اور سائنس	۵/-
۱۴	عقلیاتِ اسلام	۳/-
۱۵	فسادات کا مسئلہ	۲/-
۱۶	انسان اپنے آپ کو پہچان	۱/-
۱۷	تعارفِ اسلام	۲/۵۰
۱۸	اسلام پندرھویں صدی میں	۲/-
۱۹	راہیں بند نہیں	۳/-
۲۰	ایمانی طاقت	۳/-
۲۱	اتحادِ ملت	۳/-
۲۲	سبق آموز واقعات	۳/-
۲۳	زلزلۂ قیامت	۴/-
۲۴	حقیقت کی تلاش	۳/-
۲۵	پیغمبرِ اسلام	۲/-
۲۶	منزل کی طرف	۶/-
۲۷	حقیقتِ حج	(زیرِ طبع)
۲۸	Mohammad The Ideal Character	3/-

تعارفی سٹ

۲۹	سچا راستہ	۱/-
۳۰	دینی تعلیم	۳/-
۳۱	حیاتِ طیبہ	۲/۵۰
۳۲	باغِ جنت	۳/-
۳۳	نارِ جہنم	۳/-

مکتبہ الرسالہ □ جمعیۃ بلڈنگ □ قاسم جان اسٹریٹ □ ۶